

اسلامی عقائد

Toobaa-elibrary.blogspot.com

ترتیب

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

مکتبہ قاضی محمد

14۔ اردو بازار لاہور

﴿اسلامی عقائد﴾

مؤلف

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

۱۲	مقدمہ
۱۶	پیش باب
۱۶	اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان
۱۶	دعویٰ باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال
۱۹	الہامی صفات الہیہ - صفات ذاتیہ اور صفات عبادیہ
۲۰	مراہب صفات الہیہ اور صفات قطبیت
۲۲	اللہ تعالیٰ کی جہم صفات قدیم ہیں
۲۲	اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے
۲۳	اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں
۲۳	اللہ تعالیٰ کے اسماء توصیفی ہیں
۳۴	اسماء حسی
۳۴	اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں
۳۶	اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں
۳۷	اسماء صفات (مقادیر ذاتیہ) کا بیان
۳۷	۱۔ صفات جنات
۳۷	۲۔ صفات قدرت
۴۱	۳۔ صفات ارادہ و شیئت
۴۲	۴۔ صفات کلام
۴۴	۵۔ صفات روح
۴۴	۶۔ صفات نور
۴۴	۷۔ صفات علم
۴۵	۸۔ صفات تحریر و تحقیق

پہلا کتاب	اسلامی عقائد
مرتب	ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب
ناشر	مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
طبع اقل	۱۹۹۵ء
تعداد	ایک ہزار



— ملنے کے پتے —

- ۱۔ مکتبہ قاسمیہ ۱۷ اردو بازار لاہور
- ۱۲۔ ادارہ تبلیغات رضیہ (شاخ) مسجد نمبر ۵۵ منگ روڈ لاہور
- ۱۳۔ دارالافتار جامعہ مدینہ کریم پاک بادی روڈ لاہور

اللہ تعالیٰ نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ اور عالم کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کے تعلقات

محکمات اور ان کے آثار و خواص سب اللہ تعالیٰ کی ہیکل ہیں

خیرہ شرہ لوں کا خالق ہے

بدلوں کے افضل اللہ تعالیٰ ہے

اللہ تعالیٰ کی عزیمت

ہلک خزیہ۔ وہ کسی کا کسی چیز میں حجاب نہیں

وہ سری خزیہ۔ حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ حصہ نہیں ہوتا

وحدۃ الوجود کی حقیقت

وحدۃ الشہود کی حقیقت

تیسری خزیہ۔ اس کی ذات و صفات کو بھی ظاہر و خفیہ نہیں

چوتھی خزیہ۔ کوئی چیز اس پر واجب نہیں

پانچویں خزیہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے جودہ ہیں کہ انکو برا ہو۔

ہر ایک میں قسمیں

ہر ایک کا سرور و رخ کے درمیان فرق

ہر ایک میں قسمیں ایک دوسرے کو لازم ہیں

عقیدہ وحدۃ الوجود

عقیدہ وحدۃ الوجود کے مخالف ہونا

تائید ہر ایک کے دل اور ان کے حجاب

انبیاء اور رسل سے حقائق عکاس

شریعت میں نبی کیسے کو کہتے ہیں؟

لفظ نبوت اور رسالت کا معلوم

نبی اور رسول میں فرق

در اسباب

نبوت و رسالت علیہ الہی ہے آسمانی نہیں

کسی ایک نبی کو بھلا کر تمام انبیاء کو بھلا کر کے حراف ہے

انبیاء پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان مستحکم نہیں

انبیاء علیہم السلام امین ہوتے ہیں

انبیاء علیہم السلام منصب نبوت سے کبھی لائق

معزولی نہیں ہوتے

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ادا دنا

کے نظریہ ارتقاء کا رد

صحت انبیاء علیہم السلام

صحت انبیاء کے حقیقے پر اعتراض اور اس کا جواب

مجلد ہدایت کی نبوت

عبادت اللہ کی وہ قسمیں ہیں (۱) عام ضرعیات

(۲) خاص موقت طاعت

قدرت اور عبادت کے درمیان فرق

مجاز کا دلیل نبوت ہونا

انبیاء علیہم السلام میں حضرت محمد ﷺ کے امتیازات

حضرت محمد ﷺ پر قسم نبوت اور اس کے دلائل

حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا سبب اسکی انکسار سے نبوت

حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا تمام عالم کے لئے عام ہے

حضرت محمد ﷺ پر تمام عقیدوں کے سوا اور سب سے افضل ہیں

حضرت محمد ﷺ کو تمام عقائد سے زیادہ علوم عطا ہوئے

عقیدہ حیات الہی

جہنم میں کبھی اللہ کی شان میں غرور اور اس کا جہاں

تیسرا باب

چراغی باب

پانچواں باب

چھٹا باب

- ١١٠ پہلا غلو۔ آپ علیہ السلام کے لئے جمیع جان و مال کا مکمل کاظم بنانا
 ١١٢ دوسرا غلو۔ آپ علیہ السلام کو عمارت کی بنانا
 ١١٣ تیسرا غلو۔ آپ علیہ السلام کو عالم الشیخ بنانا
 ١١٦ فرشتوں کا بیان
 ١١٨ کتب الہیہ کا بیان
 ١٢٨ عقائد حقیقیہ کی قیامت
 ١٣١ قیامت کی علامات و قسم کی ہیں صوفی اور کبریٰ
 ١٣٣ قیامت کی علامات صوفی کا بیان
 ١٣٤ قیامت کی علامات کبریٰ کا بیان
 ١٣٥ عبود صمدی علیہ السلام
 ١٣٦ محمدی دہل
 ١٣٨ نزول مہدی بن مریم علیہ السلام
 ١٣٩ حضرت مہدی علیہ السلام کے زندہ ہونے اور صلیب پر
 چڑھنے نہ جانے کے واضح
 حضرت مہدی علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدی
 کا اہتمام کریں گے
 ١٣٩ غرض و مقصد و مآخیز
 ١٤٠ غرض و مقصد یعنی و مآخیز کا مختصر بیان
 ١٣٨ مغرب سے طلوع آفتاب
 ١٤٠ دانت لاریش کا لکنا
 ١٤٠ لعلی ہوا کا پتلا
 ١٣١ قلب جوش
 ١٣١ آسمان کا لکنا

سلاک باب

انوار باب

نور باب

- ١٣٣ قبریں مذہب و راستہ نور فرشتوں کا سوال جنت ہے
 ١٣٩ گیارہویں باب
 ١٤٠ قیامت کا آغاز کس طرح ہوگا
 ١٤٠ قیامت برحق ہے
 ١٤١ دلائل ہمت بعد موت
 ١٤٣ اہل عقیدہ کا علاج
 ١٤٤ دوزخ اہل
 ١٤٤ شفاعت کبریٰ
 ١٤٥ پیمانے اہل کی حکیم
 ١٤٦ پیمانے اہل پڑھنے کے بعد عاصیہ شروع ہوگا
 ١٤٨ عوش کوڑ
 ١٤٩ پل صراط
 ١٥١ شفاعت ہو سکتی ہے
 ١٥١ شفاعت ہوگی
 ١٥٢ شفاعت کس کے لئے نہ ہوگی؟
 ١٥٢ شفاعت کے لئے ضابطہ
 ١٥٥ جنت و دوزخ سے حقیقی عقائد
 ١٥٥ جنت و جہنم حق ہیں
 ١٥٥ جنت نور جہنم دونوں پتہ اور فی اہل موجود ہیں
 ١٥٨ جنت نور جہنم دونوں دائمی ہیں ان کے لئے بھی قاضی ہے
 ١٥٨ ایک سوال نور اس کا جواب
 ١٥٩ دوسرا سوال نور اس کا جواب
 ١٥٩ مسلمان کو کھانا کا جہنم میں داخلہ دائمی نہ ہوگا

گیارہویں باب

بارہویں باب

تیرہویں باب

۲۱۳	طریقہ انتخاب امیر	
۲۱۵	زید بنی امیر و خلیفہ بننا	
۲۱۷	ایمان کا بیان	مذہبوں باب
۲۱۷	استبلاح شریعت میں ایمان	
۲۱۸	زبان سے اقرار	
۲۱۹	ایمان اور اہل صلہ	
۲۲۰	ایمان کے کم و بیش ہونے کی حقیقت	
۲۲۰	ایمان اور اسلام	
۲۲۲	موت کا طوطا دیکھ کر ایمان لانا مقہول نہیں	
۲۲۲	کبر و تکبر سے ایمان نہیں جاتا	
	کسی دہرائے میں پہنچے ہوئے واسطے اور وہ شخص جس کو	
۲۲۴	دعوت اسلام نہ پہنچی ہو ان کے اسلام و ایمان کا مسئلہ	
۲۲۷	شرک کا بیان	مذہبوں باب
۲۳۶	شرک فی اعظم	
۲۴۳	شرک فی التصرف	
۲۵۰	شرک فی المعیت	
۲۵۴	شرک فی العتدات	

۱۷۲	اعراف حق ہے	
۱۷۴	آقارت میں دعا رانی	
۱۷۸	مقامہ حقیق صحابہ کرام	پندرہویں باب
۱۷۸	تمام انبیاء کے بعد حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کا مرتبہ ہے	
۱۷۹	خصوصیات صحابہ کرام	
۱۸۲	انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان حضرت ابو بکر صدیق ہیں	
۱۹۱	ظلمات راشدین کے بعد مشرکہ مشرکہ کا درجہ ہے	
	مشرکہ مشرکہ کے بعد اہل بدر پھر اہل احد اور پھر اہل تبیت	
۱۹۳	رضوان کا درجہ ہے	
	حضرت عثمان غنی کے بعد صحابہ کے جتنے بھ انکسکات ہیں	
۱۹۴	آئے ان کا جلی لہنگہ ہے ہوا دوس نہیں	
۱۹۸	تقدیر کا بیان	پندرہویں باب
۱۹۹	انکسکات نور ان کا صل	
۲۰۳	بدوں کی قدرت و اختیار کا بیان	
۲۰۴	استقامت کے دو معنی (۱) سلامتی اسباب (۲) قدرت حقیقی	
۲۰۵	بعض اہل سے تقدیر و قضا کے بدل جانے کی حقیقت	
۲۰۷	لامت و غلاظت	سولہویں باب
۲۰۸	اسلامی حکومت کی تعریف	
۲۰۸	غلاظت راشدہ	
۲۰۸	پیشہ اسلام	
۲۰۹	خلیفہ اور امیر کی شرائط	
۲۱۱	لامت کے بارے میں مذہب شیعہ	
۲۱۳	فرائض امیر مکتبہ اور خلیفہ	

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفى۔ اما بعد
اللہ تعالیٰ نے صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی تعلیم سے آراستہ مسلمانوں کی
دینی تعلیم کے لیے ایک نصاب و کورس ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ کورس تین
مسطبوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ اسلامی عقائد

۲۔ اسلامی اصول

۳۔ اسلامی احکام و مسائل

یہ نصاب کسی ایسے عالم دین سے چاہا جائے جو اس کی خوب اچھی طرح تیاری کر
کے چاہائیں اور تعلیم کی ترتیب یہ ہو کہ دھڑانہ ایک ٹکڑے تعلیم کو جس میں دو سبق
چاہائے جائیں۔ ہفتہ وار ناکہ کی رحمت کرتے ہوئے یہ نصاب چھ مہینے میں پورا کر لیا جا
سکتا ہے۔ احکام و مسائل کا سبق پورے چھ مہینے چلے جبکہ عقائد اور اصول کی کتابیں
تین تین مہینے میں مکمل کی جائیں۔ پہلی سہ ماہی میں عقائد کی کتاب پڑھائی جائے اور
دو سہ ماہی میں اصول کی کتاب کی تعلیم ہو اور تین تعلیم اس بات کا اہتمام کیا جائے
کہ سبق کے وقت میں سبق سے خارج اور غیر حلقہ بحثوں میں نہ لگیں۔

عقائد اور اصول پر ایسے دور کی ضروریات اور اپنے نصاب کے ذوق کے مطابق
کوئی جامع کتاب نظر نہ آئی اس لئے ان موضوعات پر سمجھتی کتابوں سے حلقہ مواضع کو
لے کر ایک جگہ ترتیب دیا گیا اور اس طرح سے اسلامی عقائد اور اصول دین کے ہم

سے دو کتابیں وجود میں آئیں۔

احکام و مسائل میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب
"مسائل پیشینی زوار" کو اختیار کیا گیا ہے جبکہ اس کے ساتھ ایک ضمیمہ
(Supplement) کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں چند اور ضروری باتوں کو جمع کیا گیا
ہے۔

یہ کتابیں انشاء اللہ پڑھنے والوں کی دینی ضروریات کو بھی پورا کریں گی بہت سے
دینی علمائے کو بھی دور کریں گی اور بہت سی گمراہیوں کے مقابلہ میں موثر ہتھیار بنیں
ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور باخلاق خلائق بنائیں۔
آئندہ کی کے تمام ہی شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے انشاء اللہ بہت
فی سنیہ نصاب ہے جسکی تفصیلی بہت سی مختصر وقت میں کی جاسکتی ہے۔
وہ تمام حضرات جنہوں نے ان کتابوں کی تکلیف اور فکرو اشاعت میں تعاون کیا
ہے خصوصاً دارالافتاء جامعہ مدنیہ کے معاون مولوی عطاء احمد سہیل۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس
پابکار عظیم عطا فرمائیں۔ آمین و عوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مدد القلم

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

شوال الحرام ۱۴۱۸ھ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله على نواله والصلوة والسلام على سيدنا محمد بقدر
حسنه وجماله وعلى اهل بيته وآله

انسان خدایا کرے کہ دنیا میں جیٹ کوئی نہیں رہے آخر ہر شخص ایک روز میں
سے جائے گا اور آخرت میں لپکا پائے گا لہذا ضروری ہے کہ یہاں سے مکمل حاصل
کر کے جائے تاکہ وہاں کے مطالب سے بچے اور دائمی میں آرام پائے اور وہ مکمل
یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک کے سب احکام کو جانے اور ماننے اور ان احکام کی وہ قسمیں
جسے ایک وہ کہ جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے عمل کی حاجت ہو جیسے نماز روزہ
یعنی عبادات اور معاملات دوسرے وہ کہ جن میں اعضاء کے عمل کی حاجت نہ ہو بلکہ
ان کا صرف بن لینا ہی کافی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانتا اور اس کو سمجھ و عظیم و
بہتر سمجھتا تھاقت اور جنت و دوزخ کو حق سمجھتا

ملائے لوگوں کی آسمانی کی خاطر قرآن و حدیث سے پہلی قسم کے احکام نکال کر
ان کو تحصیل سے جدا مرتب کیا اور اس علم کا نام فقہ رکھا اور دوسری قسم کے احکام کو
ایک تحصیل سے لکھا اور اس کا نام عقائد رکھا

علم عقائد کو علم کلام بھی کہا جاتا ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جب اس علمی
تدریس ہوئی تو ہر مسئلے کے حوالوں میں فقہ کلام لیا کرتے تھے اور چون کہہ کرتے تھے
احکام کی تفسیر یعنی فلاں مسئلہ اور عقیدہ میں کلام شروع ہے۔ اس وجہ سے علم کو ی علم
کلام کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام الہی کے بارے میں اس علم میں نزاد
حقین ہے لہذا اس کی وجہ سے اس کو علم کلام کہنے لگے۔

انتم علم کلام

لام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ جو تین واسطوں سے لام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے
شاگرد ہیں اور ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ یہ ماتریدی کہ سرمد کے قہب ایک گاؤں ہے
وہاں کے رہنے والے تھے۔

لام ابو یحییٰ اشعری رحمہ اللہ ۳۶۰ھ پیدا ہوئے اور ۴۳۰ھ سے لوہ میں وفات
پائی۔ یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

یہ دونوں حضرات اہلسنت و اہلجامعہ کے عقائد میں لام ہیں۔ صرف چند ایک
مسائل میں ان کا آپس میں اختلاف ہے مثلاً۔

۱۔ لام ماتریدی رحمہ اللہ عقول کو مستقل صفت اقلیٰ جانتے ہیں جب کہ لام
اشعری رحمہ اللہ سمجھتے ہیں کہ یہ صفت قدرت ہی سے حاصل ہے۔

۲۔ لام ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک اصل کا حسن و قبح عقل سے سمجھا جا
سکتا ہے جب کہ لام اشعری رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا پتہ شرع ہی سے
پتا چلے عقل سے نہیں۔

۳۔ لام ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ کہنا کہ میں مومن ہوں اثناء اللہ
چلتا نہیں بلکہ فقہ یوں کہتا ہے کہ میں مومن ہوں اور لام اشعری رحمہ
اللہ کے نزدیک اثناء اللہ کو ساتھ لگنا جائز ہے۔

ان جیسے اختلافی مسائل میں شاید لام اشعری رحمہ اللہ کے کمال ہیں۔ اس وجہ
سے ان کو اشعریٰ کہا جاتا ہے اور عقلی لام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے کمال ہیں۔
اس سبب سے ان کو ماتریدی کہتے ہیں۔ حاترین یعنی بعد کے علماء دونوں کو ائمہ کہنے
لگے۔ (تذکرہ)

شروع کے دور میں علم عقائد میں وہ عقلی عقائد جو کہ قرآن و حدیث سے ثابت
تھے ذکر کرتے تھے جیسا کہ لام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب فقہ اکبر میں ملاحظہ ہے۔

قلبیانہ بحثوں کو ان میں دخل نہ تھا۔ اہل مذہب کے رد کا اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ عام لوگ ان کی گمراہی سے بچ سکیں۔

مذہب کے وجود میں آنے کا قصہ یہ ہوا کہ ایک شخص واصل بن عطاء حضرت من بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں یہ کہنے لگا کہ کیرہ گنگو کرنے سے آدمی نہ سوئیں رہتا ہے نہ کافر ہو تا ہے (اور ایمان و کفر کے درمیان ایک درجہ ہے)۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا تو احمق صا (یعنی یہ شخص ہم جسور اہل اسلام سے الگ ہو گیا) اسی روز سے یہ لوگ مذہب کھانڈے جانے لگے۔ واصل بن عطاء کا رد بھی اپنے آپ کو مذہب کھانا تھا اور اس نیت سے کہنا کہ وہ داخل سے الگ ہے۔ تعبیر کثیف کے مصنف نے اپنے لئے اسی وجہ سے ابو المعزز لہ کی نکتہ اختیاری۔ مذہب اپنے آپ کو اصحاب اصول و الفوائد (عدل و تعبد کے طہدار) بھی کہتے تھے علیٰ ہذا القیاس ہر لوگ جسور اہل اسلام سے عقائد میں مختلف ہوتے تھے ان کے فرقوں کے جدا جدا اہم مقرر ہوتے گئے۔

واصل کے بعد اس کے چودھت دراز تک اپنے عقائد کو قلبیانہ دلائل سے مدلل کر کے بکالتے رہے۔ یہاں تک کہ امام ابو الحسن اشعری اور ان کے استاد ابو علی جبائی مغربی کے درمیان اصل بعد (جس میں بعد سے کا زیادہ فائدہ ہے) کے مسئلہ میں ٹھیک ہوئی۔ اس مسئلہ میں ابو علی جبائی کا جواب ہو گیا اور امام اشعری رحمہ اللہ نے مذہب کے عقائد کی کوئی بات متنبہ ہو کر ان عقائد کو ترک کیا اور وہ لوگوں کے چودھت درازوں نے عقائد حق کا اثبات اور فاضلین خصوصاً مذہب کا رد کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حقیقت میں فاضلین کا رد کرنا ان ہی سے شروع ہوا ہے۔ پھر غلطی کے جانب کے بعد میں شیخ اور فاضل کا علی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا گیا تو متاخرین نے فاضلین اور خصوصاً غلطی کا انہی کے دلائل سے رد کرنے کی خاطر منتقد اور فاضل کے علم کلام کو بھر دیا لیکن محققین نے علم کلام میں اس طرح کے اشتغال کو پسند نہیں کیا کیونکہ صحیح اور منصفیت کسی حد تک یکساں نہ ہو شریک و شبہات کی تامل سے پاک نہیں ہوتی۔

چلتا چلتا کہ وہ عقائد جو کتب اسلام میں درج کئے جاتے ہیں جنہم کے ہیں۔

قسم اول: وہ ہیں کہ جو جتنی اور عقلی ہیں اور پھر ان کی جن نوع ہیں۔

نوع اول: وہ کہ جو قرآن کی ظاہر عبارت سے ثابت ہیں۔

نوع دوم: وہ کہ جن کا معنوی ہی مطلب سے یہ نقل حواظ ثابت ہو خواہ فقہ حدیث حواظ ہوں یا نہ ہوں

نوع سوم: وہ کہ جن پر امت کا اجماع ہو گیا ہو خواہ وہ دلیل کے

جس کی وجہ سے امت نے اس مسئلہ پر اتفاق کیا ہے قطعی ہو یا

نہ ہو اور ہم کو معلوم ہو یا نہ ہو۔

تکم: ان مسائل کا منکر دائرہ اسلام ہی سے خارج ہوتا ہے۔

قسم دوم: وہ عقائد ہیں جو دلائل عقیدہ سے ثابت ہیں جن کے ثبوت پر شرع کا مدار

ہے یا اکثر باتیں شرع کی ان پر موقوف ہیں خواہ ان کی تائید میں کوئی شرعی دلیل ہو یا

نہ ہو جیسا کہ ثبوت ہادی قطعی اور مسئلہ ثبوت صفات ہادی قطعی اور مسئلہ ثبوت نبوت

اور مسئلہ عصمت انبیاء

تکم: ان مسائل کا بھی وہی حکم ہے جو قسم اول کے مسائل کا ہے۔

قسم سوم: وہ مسائل ہیں کہ جو انہار استدلال سے ثابت ہیں یا عقائد نے ان کو قرآن و

حدیث سے استنباط کر کے ثابت کیا ہے۔ ان میں ہم اسلامی فرقوں کا اختلاف ہے جیسے

مسئلہ قدم قرآن اور مسئلہ فضیلت انبیاء بر ملائکہ اور مسئلہ کریمت اولیاء حق وغیرہ۔

ان مسائل میں اہلسنت مسئلہ صالحین صحابہ و تابعین کے چودھت درازوں کے

خلاف لوگ محض اپنے خیالات سے ان نصوص کا انکار یا تاویل کرتے ہیں جو اگرچہ کفر

و فسق ہیں لیکن گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات اور صفات کے ساتھ خود بخود موجود اور موصوف ہے اور اس کے ساتھ تمام اشیاء ہی کی ابتداء سے موجود ہوتی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خدا اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اس کی ذات و صفات کے ساتھ تمام عالم اور اس کی تمام اشیاء حادث اور تولید ہیں۔ کائنات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء تو فریقین عالم سے اس وقت تک دنیا کے ہر حصہ اور ہر خط میں تقریباً سب کے سب خدا کے قائل رہے ہیں اور دنیا کے تمام مذاہب و مل اور لوگوں سب اس پر متفق ہیں کہ خدا نے ہر حق موجود ہے جو چند ایک معجزین مذاہب ہیں ان کا کہنا ہے کہ خدا کا کوئی واقعی وجود نہیں خدا محض ایک مابہوم اور فرضی شے ہے جس کو انسانی دماغ نے قوانین مجسم (Physical Laws) سے مرعوب ہو کر اخراج کر لیا ہے اور تمام اعلیٰ و اعلیٰ اور تمام اقوال و احوال بلکہ تمام کائنات میں اس کو خدا اور مصروف سمجھ کر اپنے وجود کی جگہ اس کے ہاتھ میں دے دی اور یہ وہ اپنی اسیہ و ہم کو اس کے ساتھ وابستہ کر لیا اور اس کو اپنا معبود سمجھ لیا ہے حالانکہ کائنات کا یہ نظام خدا کے بغیر ہی چل رہا ہے۔

معجزین خدا کا یہ دعویٰ محض فرض و خیالی ہے جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

وجود پاری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال

حقیقت یہ ہے کہ خدا کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان نفسوں میں بیان کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْكَ بَیِّنَاتٍ آتَمًا مِنْ طُهُورِهِمْ فَرْشَهُمْ
وَأَشْهُدُهُمْ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعَلُوا شَيْعًا
اور جب کہ تجھے رب نے تھوم کی بیٹھ سے ان کی نسل کو ۱۸۰
اور خود ان کو ان ہی پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔
سب بول اٹھے کہ ہاں ہم گواہ ہیں۔

لیکن چونکہ غلطی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دہ جاتا ہے اس لئے خدا نے پہنچا اسی فطرت کو مستحب کیا ہے۔

أَوَلَيْسَ لِلنَّاسِ لِكُلِّ أَفْطَرَةٍ الَّتِي ظَنُّوا أَنَّهَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ رِزْقٌ
ہر سکتا ہے جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اور چونکہ غلطی اسباب کی وجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دہ جاتا ہے کہ محض اثر اور تنبیہ کافی نہیں ہوتی اس لئے اس پر اتنا نہیں کیا جگہ
تجلی اور حسی حقیقت کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا۔

انسان کو اعتقاد تیر میں جن بزرگی اور حسی حقیقت کاظم ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب واقعہ اور منظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی داخل مدد نے ان چیزوں کو ترتیب دیا ہے۔ اگر کسی جگہ ہم چند چیزیں ہے ترتیب رکھی دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں انہی ہو گئی ہوں گی لیکن جب وہ اس ترتیب اور طبقہ سے ہٹتی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار متعارف ہو۔ مشکل اس طرح جن سکتا ہے تو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہو گی۔ بلکہ اگر ممکن ہے کہ تمام عالم جو اس قدر واقعہ مرتب اور منظم ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

سُبْحَنَ اللَّهِ الَّذِي آفَافَنَ كُلَّ شَيْءٍ

یہ خدا کی لامحدود ہے جس نے ہر شے کو غیب ہند طور سے پیدا
ماترئی فی خلقی الرزق من تغاوت فارجمع البصر غل تری من قسطی

رضی کی کارگیری میں تم کوئی فرق نہیں پڑے ہو۔ پھر دوبارہ نکرہ ڈالو کیا تم کوئی دروازہ دیکھتے ہو۔

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ مَقْشُورًا مُنْفِيزًا؟ خدا نے ہر شے کو پیڑا کیا پھر اس کا ایک اندازہ صیغہ کیا۔

قَمَنَ تَجِدَ لِسَانَهُ لَیْلَةً تَبْلُغُهُ؟ خدا کے طریقے میں تم رو دو بدل میں پا سکتے۔

ان تھن میں عالم کے بارے میں تین توصف بیان کئے ہیں۔ (۱) کمال اور سب نقص ہے (۲) موند اور مرتب ہے (۳) ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔

اب دلیل جان لی کہ عالم اور یہ لاکھت کمال اور سب نقص ہے اور موند و مرتب ہے اور غیر متبادل اصول کی پابند ہے اور ہر چیز کمال مرتب اور مستحسن نظام ہوتی ہے وہ خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اس کو پیدا کیا ہوگا یہ لفظ یہ لاکھت بھی کسی ایسے خالق کی تخلیق ہے جو صاحب قدرت اور صاحب اختیار ہے آفریاد کیوں نہ ہو؟ کیا کسی قدر شعاع کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کے پلا خاں اور کرسے اور جسم کے فرش اور چابیں بچے ہوئے ہوں اور عرض اور فوارے اس میں جاری ہوں۔ کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ عمل ماہر کاری کروں کی کارگیری نہیں بلکہ اتفاق سے ایسی ہوا چلی کہ عقلی اور پانی کے ٹکڑے ہونے اذات میں حرکت پیدا ہوئی جس سے یہ کرسے اور یہ فلگے اور یہ برآمدے اور یہ راستے اور یہ عرض اور فوارے خود بخود وجود میں آ گئے اور یہ چابیں اور یہ کرسیاں خود بخود بن کر یہاں پک گئے۔ کیا جس شخص کے دماغ میں کچھ بھی عقل ہے وہ اس کو دماغی نہ کہجے گا۔

ایک مرتبہ دہریوں کا ایک گروہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ان کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا۔ امام صاحب نے ان سے فرمایا کہ تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے

ہو کہ جو یہ کہے کہ میں نے دروازہ میں سلطان سے بھری ہوئی ایک کشتی دیکھی ہے جو اس کنارے سے خود بخود سلطان لے جاتی ہے اور دوسرے کنارے پر لے جا کر آباد وچی ہے اور دریا کی مچھلیوں کو چھٹی ہوئی سیدھی لکھ جاتی ہے اور کوئی ملاح اس کے ساتھ نہیں خود بخود سلطان اس میں لے جاتا ہے اور خود بخود اتر جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا یہ بات تو ایسی غلط عقل ہے کہ کوئی ملاح اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام صاحب نے فرمایا افسوس حسداری عقول پر۔ جب ایک کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو سارے عالم کی کشتی بغیر ملاح کے کیسے چل سکتی ہے اس پر وہ موت ہو گئے اور سب کے سب تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ سلام ہو گئے۔

دہری نے کیا دہر سے تعمیر بچے

انکار کسی سے حق نہ تھا حیرا

لئے عقلی کی ذات کے بارے میں مزید کوئی تفصیل کسی کو معلوم نہیں اس لئے اس بارے میں کچھ خیال آزمائی کرنے کی ضرورت نہیں البتہ لئے عقلی کی عقلیت کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جس کے بیان کا آگے ذکر ہے۔

صفات الہیہ

اقسام صفات الہیہ

صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتیہ اور دوسری صفات لیلیہ

صفات ذاتیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ ذات ہی ان خود کے ساتھ موصوف نہ ہو سکے۔ لئے عقلی کی صفات ذاتیہ عبارت "علم قدرت" ارادہ مع اور بھر اور حکم ہیں کہ لئے عقلی ان کے ساتھ تو ضعف ہو سکتا ہے ان کی خود بینی موت، عقل، ہمز و فیہو کے ساتھ

متصف فیض ہو سکتا ان کو احسان الصلوات بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کا رجب اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات پر مقدم ہے اس لئے کہ اگر مثلاً اس کے لئے حیات نہ ہو تو خدا نہ رہے لہذا احیات پہلے ہوئی تب کچھ اور صفات پائی جائیں گی۔

صفات فعلیہ

ان صفات کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی حد کے ساتھ موصوف ہو سکے اور ان کا تحقق غیر کے ساتھ ہو۔ جیسے بار بار جلتا غزلت رہا اور ذات رہا رزق دینا اور نہ دینا یہ صفات فعلیہ صفت تکوین میں داخل ہیں گویا کہ صفت تکوین ان سب کا اصل ہے اور یہ سب اس کی تحصیل ہیں۔

مراتب صفات الہیہ اور صفات مقشبات

اللہ تعالیٰ کی صفات جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔

ایک وہ کہ جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں جیسے علم اور قدرت اور ارادہ اور حکم وغیرہ ایسی صفت کو صفت ظہرات اور واضحیات کہتے ہیں اس بارہ میں اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان صفات کے ظاہری معنی پر اتفاق رکھنا ضروری اور لازم ہے اور اس قسم کی صفت میں کسی قسم کی تویل چاہئیں۔

دوسری قسم وہ ہے کہ جس کے معنی میں غماز اور ابہام ہے۔ جیسے غری معنی سے کوئی قسمی اور جتنی علم حاصل نہیں ہوتا۔ راستہ اور قیاس یا کشف و الہام ان میں سے کسی کی بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ جیسے وجہ (چہرہ) اور یہ (ہاتھ) اور عرش اور زمین (آسمان) اور ساق (پنڈلی) اور قدم اور اصابع (انگوٹھیں) اور عرش پر مستوی ہوئے اس قسم کی صفت کو صفت مقشبات کہتے ہیں۔

صفات مقشبات کے بارے میں بعض فرقوں مثلاً معتزلہ اور مجسمہ (شبیہ) نے

اہل سنت کے خلاف دانش کو اختیار کر کے افراط و تفریط اور راہ حق سے جہیز کو اختیار کیا۔

فرق معتزلہ ان کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر تویلات کرتا ہے مثلاً یہ سے بعد اور وجہ (چہرہ) سے اللہ کی ذات مراد لیتا ہے اور دلیل میں یہ اہمیت دیتی کرتا ہے کہ جس کی کیفیتہ شمس؟ اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے) کہ اگر اس کے لئے ہاتھ اور منہ وغیرہ چھریاں حیات ہیں تو اللہ تعالیٰ حقیق کے مقابلہ ہو جائے گا۔

فرق مشبیہ کہ جس کو مجسم بھی کہتے ہیں ان کا قول یہ ہے کہ ہاتھ منہ وغیرہ اصحاء اور آیات و احادیث میں آئے ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے حیات ہیں اور وہ عرش پر ایسا ہی بیٹھ ہے کہ جس طرح کوئی پڑشادہ دنیا میں اپنے تخت پر بیٹھ ہے۔ مگر فرق مشبیہ کے اس حقیقہ کو اہمیت کہیں شمس؟ پاگل رد کرتی ہے۔

اہل سنت و اجماع کا قول یہ ہے کہ یہ صفات مقشبات کتاب و سنت میں جس طرح حیات ہیں۔ ان کو اس طرح تسلیم کیا جائے اور معتزلہ کی تویل نہ کی جائے اور مجسمہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی تجزیہ اور تقدس کا انکار نہ کیا جائے بلکہ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد دی جائے اور تخریم و تقدس کے لئے کہیں تجزیہ شمس؟ زبان سے کہے اور دل سے اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے لیکن ہماری طرح کا ہاتھ نہیں ہے اور اللہ کا چہرہ ہے لیکن ہماری طرح کا چہرہ نہیں ہے۔ ہاتھ و چہرہ کہتے کہ اللہ کا ہاتھ ہے لیکن حقیق کا ساماں بلکہ اللہ کی شایان شان ہے اور اس کی اصل حقیقت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے لیکن اللہ ہی جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ تمام صفات صالحین اور انکار اہم کا بھی مقید ہے چنانچہ اللہ اکبر میں اہم ابو علیہ رمر اللہ فرماتے ہیں فسا ذکرہ اللہ تعالیٰ من ذکر الوجہ والید والنفس والعین فہولہ صفات ولا یقال ان یدہ قمرتہ و نعمتہ لان قیہ بطلان الصفۃ وھو قول اهل القدر والا اعتزال ولكن یدہ صفتہ بلا کیف انتہی یعنی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وجہ اور یہ اور عرش اور زمین کا ذکر کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات

ہیں اور یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ سے اللہ کی قدرت یا نعمت مراد ہے اس لئے کہ اس طور سے اللہ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ قول قدریہ و معزولہ کا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ حقا یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو کم اور کیف سے پاک اور حشر ہے۔ (اور حقیقت اس کی اللہ کو معلوم ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں

کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم یعنی انہی اور پیش ہمیش سے ہیں۔ اگر عقلمندانہ بھی پیدا ہوئی تو اس میں پیدا کرنے کی قدرت تو ضرور ہے اس وجہ سے خالق اس کی صفت قدیم ہے۔ اس کا خالق ہونا عقلمندانہ کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں بلکہ عقلمندانہ کا پیدا ہونا اس کے خالق ہونے پر موقوف ہے۔ اگر اس میں پیدا کرنے کی صفت نہ ہوئی تو یہ عقلمندانہ کیسے پیدا ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے

یہ بھی کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں ہے یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لائل صفت پہلے ہے اور لائل صفت بعد میں۔ اس کی تمام صفات انہی اور قدیم ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا علم اس کی قدرت سے پہلے ہے یا اس کی قدرت اس کے علم کے بعد ہے یا اس کی حیثیت اس کے علم سے پہلے ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیش سے حسی اور عظیم اور قدیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں

ایک دوسرے کے عین ہونے کا مطلب ہے کہ دونوں مضمونوں کا صدق ہر اعتبار سے ایک ہی ہو۔
اور ایک کا دوسرے کے غیر ہونے کا مطلب ہے ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر وجود ہو سکتا ہے۔

اس مختصر کے مطابق ذات حق اور صفات میں نہ عینیت ہوئی نہ غیریت ہوئی۔ عینیت تو اس لئے نہ ہوئی کہ اس کے معنی میں کو چیزوں کا باطل ایک ہونا اور جو کہ صفات ذات پر قائم ہوئی ہیں تو دونوں کا صدق تمام اعتبارات سے ایک نہ ہوا لہذا حقیقت اسی ذات الہی کا عین نہ ہو سکتا۔

اور غیریت اس لئے نہ ہوئی کہ یہی ذات اور صفات دونوں میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں کہ دوسرے کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ صفات تو ذات کے بغیر اس لئے موجود نہیں ہو سکتیں کہ صفت تخلع ہوئی ہیں اور ذات متبرع ہوئی ہے اور تخلع کا وجود متبرع کے بغیر عمل ہے۔ اور ذات صفت کے بغیر اس لئے نہیں پائی جاسکتی کہ ذات الہی کا صفت کل سے تخلع ہونا لازم آتا ہے اور وہ عمل ہے لہذا ایک دوسرے کے لئے لازم ہوا اس لئے غیریت بھی نہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کے اسلام تو قیفی ہیں

حق تعالیٰ کے اسلام یعنی اس کے ہم تو قیفی ہیں یعنی صاحب شریعت سے بننے پر موقوف ہیں۔ شریعت میں حق تعالیٰ کی ذات ہے جس اسم کا اطلاق یعنی استعمال کیا ہے اس اسم کا استعمال جائز ہے اور جس اسم کا اطلاق نہیں کیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کل کے معنی پائے جانے کی وجہ سے حقا اس کا اطلاق درست ہو حقا اللہ تعالیٰ کو شفیق جو اور عالم کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان کا اطلاق شرع میں آیا ہے صریح علی اور عاقل نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کا اطلاق شرع میں نہیں آیا لیکن یہ ضابطہ ان اسلام میں ہے جو صفات اور افضل سے لئے گئے ہوں اسلام اعلام اور اسلام ذات میں نہیں ہے کیونکہ ہر زبان میں ذات الہی کے لئے کوئی لفظ مرسوم اور مقرر ہے جیسے اردو اور فارسی میں خدا اور انگریزی میں گود کے ساتھ God۔ لہذا یہود و نصاریٰ کے ہلے یا اور کافر قوموں میں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے نام مقرر ہیں جیسا کہ یہود میں یہوواہ (Jehovah) اور فارسی میں عز و نور ہندی میں جرائن یا بھگوان یا پرستار

ایسے ہوں سے یاد کرنے میں اعتقاد کرنی چاہئے شیعہ یہ کسی چارہز صفت کے لحاظ قرار دیتے تھے ہوں مگر ان کی یہ اپنی اور بے تمطبیعی بھی نہ کہنی چاہئے۔
حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لہ تسعة و تسعين اسما من احصاها دخل الجنة یعنی اللہ کے بتلوئے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوں سو چنانچہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بے شمار ہیں۔ لیکن یہ بتلوئے نام تمام اسماء حسنی اور اعلیٰ صفات کی اصل ہیں کہ دنیا میں محض کے نزدیک جس قدر صفات مکمل حضور ہو سکتی ہیں وہ سب انہی بتلوئے اسماء حسنی کے تحت درج ہیں اور یہ بتلوئے اسماء حسنی بے شمار صفات مکملیہ کے لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفات مکمل کا خلاصہ اور اعلیٰ ہیں اور حدیث میں اسماء سے محض زبانی یاد کر لینا حرام نہیں بلکہ ان کو سمجھنا اور ان کے معنی پر اعتقاد رکھنا حرام ہے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنی اور اعلیٰ صفات کے ساتھ موصوف ہے تو جس شخص نے حق تعالیٰ کو تمام صفات مکملیہ کے ساتھ موصوف بنانا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

ہذا مسئلہ کو چاہئے کہ اللہ کے ان ناموں کو یاد کرے اور ان کا ورد کرے اور ان ناموں سے اللہ کو پکارے اور اپنی طرف سے اللہ کا نام نہ مقرر کرے اگرچہ بظاہر محض کے نزدیک اس کا اطلاق درست ہو یا اس کے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں۔

اسماء حسنی

۱۔ اَللّٰهُ: معبود برحق اور موجود مطلق۔

یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ مثبت نہ سلب۔

۲۔ اَلرَّحْمٰنُ: رحمت رحم والا۔

۳۔ اَلرَّحِیْمُ: بڑا مہربان۔

۴۔ اَلْمَلِکُ: بادشاہ حقیقی اپنی تھوڑ اور تعریف میں عجز مطلق۔

۵۔ اَلْقُدُّوسُ: تمام بیہوں اور برائیوں سے پاک اور حرام لغات کی اور عین کا جامع اور مطاب سے اور حقائق کی صفت سے صبرا اور مجررا۔

۶۔ اَلْسَّلَامُ: تھکن اور بیہوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا ہے مہیب۔

۷۔ اَلْمَوْمِنُ: تھکن کو تھکن سے امن دینے والا اور امن کے سنان پیدا کرنے والا۔

۸۔ اَلْمُهَیْمِنُ: ہرچیز کا تمکین اور پاسبان۔

۹۔ اَلْعَزِیْزُ: عزت والا اور غلبہ والا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پاسکتا ہے۔

۱۰۔ اَلْجَبَّارُ: جبر اور قہر والا۔ ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا اور ٹکڑے ہونے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

۱۱۔ اَلْمُتَكَبِّرُ: اٹھنا بلند اور برتر یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔

۱۲۔ اَلْخَالِقُ: حیثیت اور حکمت کے مطابق تخلیق اللہ اپنے ہونے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا۔ اس نے ہرچیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا اور کسی کو انسان اور کسی کو جانور کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو کسی اور کسی کو گھر ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔

۱۳۔ اَلْبَارِئُ: جدا کسی اصل کے اور بلا کسی شکل کے پیدا کرنے والا۔

۳۰- **الْمَصَوِّرُ**: طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت دوسری صورت سے جدا اور ممتاز ہے۔

۳۱- **الْمَعْلَمُ**: بڑا بخشنے والا اور جیوں کا چھپانے والا اور پودہ پھٹی کرتے والا۔

۳۲- **الْمَقْدَرُ**: بڑا ضرور طلب والا کہ جس کے آگے سب عاجز ہوں۔ ہر موجود اس کی قدرت کے سامنے مقصور اور عاجز ہے۔

۳۳- **الْوَهَّابُ**: بغیر غرض کے اور بغیر عوض کے بخشنے والا۔ بلکہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناقص ہے۔ بلکہ کسی کو کچھ روکتا ہے۔ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

۳۴- **الْمَرْزَاقُ**: روزی دینے والا اور روزی کا پیداکرنے والا رزق اور مرزاق سب اس کی حق میں ہے۔

۳۵- **الْفَتْاحُ**: رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

۳۶- **الْعَلِيمُ**: سب جانتے والا جس سے کوئی چیز چھپی نہیں ہو سکتی اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر اور باطن کو محیط ہے۔

۳۷- **الْقَابِضُ**: غنی کرنے والا۔

۳۸- **الْبَاسِطُ**: فقی کر دینے والا۔

یعنی رزاق کسی اور معنی کی جی اور فراغ سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ کسی پر رزق کو فراغ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

۳۹- **الْخَافِضُ**: اترانے والا۔ پست کرنے والا اور بلند کرنے والا۔ جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

۴۰- **الْمُخِيلُ**: عزت دینے والا اور ذلت دینے والا۔ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

۴۱- **الْصَمِيعُ**: سب سنے والا۔

۴۲- **الْبَصِيرُ**: سب دیکھنے والا۔

۴۳- **الْحَكَمُ**: حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرا کر سکتا ہے۔

۴۴- **الْعَدْلُ**: انصاف کرنے والا۔ اس کی پارکھ میں ظلم اور جور و ستم محض و فساد ملے۔

۴۵- **الطَّيْفُ**: پارکھ میں اور نیکی اور نری کرنے والا۔ ایسی غنی اور پارکھ جہاں کا اور پاک کرنے والا جہاں گناہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

۴۶- **الْخَبِيرُ**: بڑی آنکھ اور باخبر ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ ہر چیز کی اس کو خبر ہے یا ممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور نہ ہو اس کی خبر ہے۔

۴۷- **الْحَلِيمُ**: بڑی بردبار۔ طمانیہ یا فانی بھی اس کو بھرنے کی فوری سزا پر تیار نہیں کرتا۔ گناہوں کی وجہ سے وہ رزق میں روکتا۔

۴۸- **الْعَظِيمُ**: بڑی عزت والا جس کے سامنے سب سچا ہیں۔

۴۹- **الْمَغْفُورُ**: سب بخشنے والا۔

۵۰- **الشَّكُورُ**: بڑا قدر دان۔ خود سے ملے پر بڑا شکر دینے والا۔

۵۱- **الْعَلِيُّ**: بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

۳۸۔ **الْكَبِيرُ**: بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی مضمون نہیں۔

۳۹۔ **الْحَفِيفُ**: سہل۔ حلق کو سلتوں اور ہڈیوں سے محفوظ رکھنے والا۔

۴۰۔ **الْمَقِينُ**: حقیق کو قوت یعنی خدا اور روزی دینے والا۔ روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا۔

۴۱۔ **الْحَسِينُ**: ہر عمل میں کھٹتے کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔

۴۲۔ **الْجَلِيلُ**: بڑا کہ قدر۔ یعنی مکمل استقامت اور مکمل تقدس اور مکمل حق کے ساتھ موصول ہے۔

۴۳۔ **الْكَرِيمُ**: کرم اور بخشش والا۔ بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

۴۴۔ **الزَّاقِنُ**: چھین اور محرم کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۴۵۔ **الْمُجِيبُ**: دعوت کا قبول کرنے والا۔ اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

۴۶۔ **الْوَلِيعُ**: فراغ علم والا اور فراغ حق والا۔ جس کا علم اور جس کی حق تمام اشیاء کو محیط ہے۔

۴۷۔ **الْحَكِيمُ**: تدبیر اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے نکل نہیں۔ اور حکمت کے معنی مکمل علم کے ساتھ فعل اور عمل کا مہر اور پختہ ہونا ہے یعنی اس کا علم اور حکمت سب درست اور استوار ہے۔

۴۸۔ **الْوَدُودُ**: چمک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر کو اور اسلئے کو پسند کرنے

والد

۴۹۔ **الْمَجِيدُ**: ذات اور صفات اور افعال میں بڑا کہ اور شریف۔

۵۰۔ **الْبَاقِعُ**: مہربان کو زندہ کر کے قبول سے اٹھنے والا اور سوتے ہوئے کو ابھرنے سے جاگنے والا۔

۵۱۔ **الشَّهِيدُ**: حاضر و غاib اور ظاہر و باطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہر کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور مطلع جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

۵۲۔ **الْحَقُّ**: حقیقت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہادت حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور جھوٹ۔

۵۳۔ **الْوَكِيلُ**: کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو۔ وہ اس کا کام جاننے والا ہے۔

۵۴۔ **الْقَوِيُّ**: غیر متغیر قوت والا یعنی قہار اور قادر والا جس کو بھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

۵۵۔ **الْعَتِيقُ**: استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور انحصار کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا اضطرار اور شریک نہیں۔

۵۶۔ **الْوَلِيُّ**: مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔

۵۷۔ **الْحَمِيدُ**: سزاوار حمد و ثناء ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے مستور۔

۵۸۔ **الْمُخْصِي**: کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا۔ زمین کے درے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اس کو معلوم ہیں۔

۵۹۔ **الْمُبْدِيُّ**: پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

۶۰۔ **الْمُعِينُ**: دوا دہنے والا۔ پہلے پیدا کرنے والا۔ پہلی بار بھی اسی نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوا دہنے والا۔ دوا دہنے والا کو دوا دہنے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۶۱۔ **الْمُحْيِي**: زندہ کرنے والا۔

۶۲۔ **الْمُمِيتُ**: مارنے والا۔

۶۳۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ موت اور حیات کا رنگ جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور محدود کر دی۔

۶۴۔ **الْحَيُّ**: بذات خود زندہ اور قائم بذات جس کی حیات کو بھی ادائیگی نہیں۔

۶۵۔ **الْقَيُّومُ**: کائنات عالم کی ذات و صفات کا قائم رکھنے والا اور خزانے والا یعنی تمام کائنات کا دوا دہنے والا اور ہستی اس کے سامنے سے قائم ہے۔

۶۶۔ **الْوَّاحِدُ**: غنی اور بے ہراداکہ کسی چیز میں کسی کا متن نہیں، یا یہ معنی کہ پہلی مراد کو پانے والا جو چاہتا ہے وہی ہو آجے۔

۶۷۔ **الْمُحَاجِدُ**: بڑی بزرگی والا بزرگ مطلق۔

۶۸۔ **الْوَّاحِدُ**: ایک کوئی اس کا شریک نہیں۔

۶۹۔ **الْأَحَدُ**: ذات و صفات میں بیکتا اور بیکتا۔ یعنی بے مثل اور بے نظیر۔
۷۰۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔
۷۱۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔
۷۲۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۷۳۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۷۴۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۷۵۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۷۶۔ **الْقَادِرُ**: قدرت والا۔ اسے اپنے کام میں کسی آگے کی ضرورت نہیں لگا اور اچانکی سے پاک اور صاف۔

۷۷۔ **الْمُفْتَنُ**: بذات خود کامل قدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

۷۸۔ **الْمُقَدِّمُ**: آگے بڑھانے والا۔ دوسروں کو آگے کرنے والا اور دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

۷۹۔ **الْأَوَّلُ**: سب سے پہلا یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو ضرور ہوا اس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۸۰۔ **الْآخِرُ**: سب سے پچھلا۔

۸۱۔ **الظَّاهِرُ**: ظاہر۔

۸۲۔ **الْبَاطِنُ**: پوشیدہ۔

۸۳۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۴۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۵۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۶۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۷۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۸۔ **الْمُتَعَلِّمُ**: تعلیم دینے والا۔ تعلیم دینے والا کو تعلیم دینے والی کا لباس پہنانے لگا۔

۸۲۔ **الْمُنْتَقِمُ**: سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳۔ **الْعَصَوُ**: مکتبوں اور تعلیموں سے بڑا درگزر کرنے والا اور مکتبوں کو صحت دینے والا۔

۸۴۔ **الْزَّعُوفُ**: پراسی میں جس کی رحمت کی عظمت اور نہایت تھیں۔

۸۵۔ **مَالِكِ الْمُلْكِ**: خداوند جن ملک کا مالک جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرف کو نہ روک سکے۔

۸۶۔ **ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ**: صاحب عظمت و جلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے اور اپنے فریاد و بے بدوں کی عقیم و عظیم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا ملکہ ہے۔

۸۷۔ **الْمُقْسِطُ**: عدل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینے والا۔

۸۸۔ **الْجَامِعُ**: تمام مخلوق جن کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت و حکمت سے جم آسانی اور جہائی میں حاضر مخلوق کو جمع کر دیا۔

۸۹۔ **الْعَفِيفُ**: بے پردا اسے کسی کی عظمت میں اور کوئی اس سے مستحق نہیں۔

۹۰۔ **الْمُعَفِيفُ**: مخلوق کو بے پردا کرنے والا یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت و منصفیت اس کو بے پردا کر دیتا ہے اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱۔ **الْمَنَامُ**: روکنے والا اور باز رکھنے والا جس کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

۹۲۔ **الْمَنَامُ**: خیر پہنچانے والا۔ طبع پہنچانے والا یعنی طبع اور

خبر سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ خیر ضرور نفع و ضرر سب اس کی طرف سے ہے۔

۹۳۔ **النُّورُ**: وہ ذات خود ظاہر اور روشن ہے اور وہ مہوں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو ظاہر بنفسہ ہو اور دوسرے کے لئے مقرر ہو۔ آسمان و زمین سب علت عدم میں مستور تھے اللہ نے ان کو عدم کی علت سے نکال کر نور و بخور عطا کیا جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لئے وہ نور السموات والارض ہے۔

۹۴۔ **الْهَادِي**: راہ دکھانے والا اور گمراہی سے نکالنے والا کہ یہ راہ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

۹۵۔ **الْبَدِيعُ**: بے مثل اور بے نمونہ عالم کا بیدار کرنے والا۔

۹۶۔ **الْبَاقِي**: ہمیشہ بچنے والے یعنی دائم الوجود جس کو کبھی ناس نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ باقی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہی نہ باقی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ ذات خود باقی ہے اور جنت و جہنم کو جو دائرہ اور جہاں ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے۔

۹۷۔ **الْوَارِثُ**: قریب موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم کا ہے مگر انکہ وہ اپنے کا وہ خود ہی قریبے کا لہذا اللہ عالم اور خود ہی باریک دے گا اللہ الواحد القہار۔

۹۸۔ **الْمُشِينُ**: دہانے والا یعنی وہی اور وہی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف میں رشد اور بین صواب اور اس کی ہر تحریر نہایت درست ہے۔

۹۹۔ **الْمُصَبِّرُ**: بڑا مہر کرنے والا کہ ظالموں کے پکڑنے اور سزا دینے میں دشمنوں سے انتقام لینے میں مدد دے گا کہ ان کو صحت دے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے بخوانے نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سوا کا ہوا ہوا
جاتا ہے اور جنت کے سوا رہے ہیں سوا جن اسم صفتی کو یاد کرے اور ان کے معنی
کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کلیہ کے ساتھ موصوف
ہے۔ اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعے اپنے حالات
مانگے۔ مثلاً جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ
سے دعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجت مند ہو وہ یا رزق کہہ کر دعا مانگے اور غالب علم
وین یا علم کہہ کر دعا مانگے اور گرم کشتہ روا یا ہدی کہہ کر دعا مانگے وغیرہ جو ایسا
کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے یہ بخوانے نام خدائی وغیرہ کی
روحیت میں آئے ہیں جن میں سے اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ چنانچہ یہ کہ اللہ
کے اسماء و صفات ہے شہر ہیں مگر مشہور حدیثوں میں ان بخوانے ناموں کا ذکر آیا
ہے۔ اس لئے ہم نے ان پر اکتفا کیا کیونکہ یہ بخوانے نام تمام صفات کلیہ کی اصل
اور جڑ ہیں۔ باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو قرآن و احادیث میں وارد
ہوئے ہیں۔ مثلاً قادر اور شکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور عالم اور حلیک
اور اکرم اور مدبر اور رفیع اور ذی العجل اور ذی الصلوة اور ذی الفضل اور خالق اور
سید اور متین اور متان اور دین و قیود وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں

حق تعالیٰ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے قُلْ هُوَ
اللَّهُ أَحَدٌ (اے نبی خبر دیجئے کہ اللہ ایک ہے) وحدت کی ایک دلیل ہو خود قرآن پاک
میں ذکر کی گئی ہے یہ ہے

لَوْ كُنَّا زُفْرِيَةً أَلَيْسَ اللَّهُ لَعَلَّهِ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبادت نام ہے کامل تخلیق کا اور کامل تخلیق صرف اسی
ذات کے سامنے اختیار کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو۔ اس کو

ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ خدا کی ذات ہر قسم کے صوب و نقص سے
بانت ہو۔ نہ وہ کسی حیثیت سے ناقص ہو نہ بیکار نہ عاجز ہو نہ محتجب نہ کسی
دوسرے سے دہے نہ کوئی اس کے کام میں مدد کر سکے۔ اب اگر فرض کیجئے
کہ انسان و زمین میں وہ خدا ہوں تو دونوں اسی شان کے ہوں گے۔ اس وقت دیکھنا یہ ہے
کہ عالم کی تخلیق اور مخلوقات و صفیات کی تدبیر دونوں کے علی التعلق سے ہوتی ہے یا
گناہ یکہ یکہ اختلاف بھی ہو جاتا ہے۔ تعلق کی صورت میں وہ افضل ہیں۔ یا تو انیکہ
ایک سے کام میں جمل سکا تھا اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ
دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر خدا ایک سادہ عالم کا کام کامل
طور پر سرانجام کر سکا تھا تو دوسرا بیکار ضرور ملا تھا کا وجود اس لئے جانا پڑا ہے کہ
اس کو اپنے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہو سکا کہ اس کے بغیر کارخانہ عالم نہیں چلتا اور
اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو نا محال متقابل میں یا ایک مطلوب ہو کر اپنے اردو
اور تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہے اور یا دونوں بالکل مساوی و متوازی طاقت
سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے اردو اور تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے اور تو
(صحت اللہ) خداؤں کی اس دوسرہی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور
موجود چیز چرند و پند و تنہا ہونے لگی تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جائے گی۔
پہلے سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر تینوں زمین میں وہ خدا ہوتے تو تینوں زمین کا یہ نظام
بھی کا درہم برہم ہو جاتا ورنہ ایک خدا کا بیکار یا ناقص و عاجز ہو کر لازم آتا ہے خلاف
مطلوب ہے۔

اگر یہ حق تعالیٰ جانے کہ دونوں خدا الٰہود کامل قدرت ہونے کے تئیں میں التعلق
کر لیں اور کام پٹ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی بھی وصف ہو وہ اپنے کامل حضور
چاہتا ہے اور صاحب وصف کے وصف کی ضرورت بھی فقط اتنی ہوتی ہے جتنا اس کا
حضور ہو آتا ہے۔ اگر تھک سچوں کے عقیدے کے مطابق ہر دو کو خالق خبر اور اہرمن کو
خلاق شرابین تو یہ کیے مگر معلوم ہو گا کہ ہر دو میں بھی شرک کو پیدا کرنے کی اتنی ہی

اعمال صفات (صفات ذاتیہ)

۱۔ صفت حیات

عشقِ تہلی حبیبی ہیں یعنی زندہ ہیں اور محبتِ حیات میں کے لئے حیات ہے جیسا کہ قرآن میں آگیا ہے ﴿هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ یعنی وہ زندہ ہے اور ہر چیز کا قائم رکھنے والا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو زندہ نہ ہو وہ عالم کو نہیں جانتا سبک عشقِ تہلی کی حیاتِ تہلی و انہی سے جہلی موت اور قاتل و ہدم کا نہیں گزر سکتا۔

عن عفت قدرت

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے قدرت وہاں ہے کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ کسی دلو سے وہیں لڑکا کر نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَسَىٰ تَكُونُ شَايِعًا مُّقْبِلًا** یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۵ سورہ کو معلوم اور معلوم کو ۱۵ سورہ کر سکتا ہے۔

قدرت کا حقیقی ملکیت کے ساتھ ہونا ہے یعنی ان چیزوں کے ساتھ ہونا ہے جن میں وجود اور عدم دونوں کی صلاحیت ہو۔ وہیں وہ چیزیں جن کا وجود متضاد نام اور ضروری ہو اور ان کا عدم عمل ہو جیسے واجب الوجود یعنی خود ذات اعلیٰ اور صفت ایہ تو ایکی چیزوں کے ساتھ قدرت کا حقیقی فیض ہوتا۔ اس کی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کچھ کی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ان چیزوں میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہی کیا ہوا جس میں کسی کی تاخیر اثر کر سکے۔ اسی طرح وہ چیز جو متضاد عمل ہیں یعنی جن چیزوں کا عدم متضاد ضروری اور لازم ہے اور ان کا وجود متضاد ممکن اور محال ہے جیسے افعال نقیضین (متضاد زید کے وجود اور عدم کا ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں جمع ہونا) تو ایسے

قوت موجود ہے جتنی کہ اہرمن میں ہے۔ فقہاء نے ضروری ہو گا کہ اگر وہ خدا ہوں اور ہر ایک کی قدرت دکھاتا ہوں تو میں سے ہر ایک ایک اپنی پوری قوت کا انحصار کرے۔ اور ہر ایک کی کامل قوت و قدرت کا انحصار اس طرح ہو گا کہ وہ ۱۰۰ سرے کے خلاف کام کرے۔ اور اس صورت میں خدا و عزالی کا ہونا ظاہر ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا کے لئے کوئی چنا ہو سکتا ہے اور نہ جی اس لئے کہ عبادِ الہ کی تمجس اور ہم نوع ہوتی ہے۔ لہذا اگرچہ باپ کا فیروزہ مگر امتداد میں اس کا شریک ہے۔ اس طرح اگر خدا کا چنا ہو تو وہ بھی خدا ہی کا شریک ہو گا اور خدا کی طرح وہ بھی ایک خدا ہو گا۔ اس لئے ارشاد ہے: شَيْئَانِ لَا يَتَكُونُ لَآلِهَةٌ

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات قدیم ہیں

اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور انہی ہے وہ عیش پیش سے ہے۔ اس کے دہار کی کوئی ابتداء نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ کبھی پہلے نہ تھا پھر ہوا اور کیا پہنچے قرآن پاک میں ہے
هَؤُلَاءِ اَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ وَهُوَ الْخَبْرُ الْمُنِیْنُ اور اللہ تعالیٰ اول مبتدئ ہے کہ اس کے لئے ابتداء نہیں اور
آخر مبتدئ ہے کہ اس کے لئے انتہا نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دوزر ضروری ہے اور اسی کی ذات کا تقاضا ہے تو اگر عدم کے بعد دوزر حاصل ہوا تو یا تو کسی امتیاز کی بنا پر ایسا ہو گا کہ جب وہ امتیاز چوری ہو سکتی تو دوزر حاصل ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی امتیاز اور شخص سے پاک ہے ورنہ یہ اعراض ہو گا کہ اس وقت کو اس سے پہلے نوقت پر کیوں ترجیح حاصل ہوئی کہ بغیر کسی وجہ کے پہلے دوزر حاصل نہیں ہوا۔ اور یہ بات بالکل کے ہر وقت کے بارے میں کسی جا سکتی ہے لہذا ضروری ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بیش بیش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور مشقت کے علاوہ کسی اور شے کے لئے ازلت اور قدم ثابت نہیں ہے۔

علاقے سے بھی قدرت حقیقی نہیں ہوتی اس لئے کہ عبادت میں بھی اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

خاصہ کلام یہ کہ قدرت کا حقیقی شکست کے ساتھ ہونا ہے واجبیت اور عبادت کے ساتھ نہیں ہونا لہذا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خدا حقیقی کسی واجب وجود کو معدوم اور کسی عمل کو موجود کر سکتا ہے تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قدرت اور ارادہ کو واجبیت اور عبادت سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ مگر یہ کہنا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں یہ بے ادبی اور گستاخی ہے اللہ تعالیٰ ہر شے پر پاک اور خواہ ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا علم واجب اور عمل سب سے حقیقی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے خدائی عبادت لازم اور ضروری ہے مگر خدا کو یہ اعتبار نہیں کہ وہ اپنی خدائی کو غم کر دے اور خدا نہ رہے یا اللہ تعالیٰ خدا اپنے علم کو غم کر دے اور علم کو اپنے سے جدا کر کے غم سے خالی ہو جائے۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ ہیں قدرت الہی چیزوں سے حقیقی نہیں ہوتی۔

قرآن شفاء و دواء و مہد کے خلاف کرتا اور خلاف واقعہ بیان کرتا بھی شکست میں سے ہیں عبادت میں سے نہیں ہیں لہذا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت شامل ہیں البتہ اللہ تعالیٰ نہ ان کو بھی کرتا ہے اور نہ بھی کرے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرعون و بلان اور ابواب کے حقیقی جو یہ فرمایا ہے کہ وہ دوازی ہیں تو یہ غم قلعی ہے۔ اس کے خلاف بھی نہ کرے گا لیکن اللہ ان کو جنت میں داخل کرنے پر قادر ضرور ہے عاجز نہیں ہے۔ ہاں البتہ اپنے اختیار سے یہاں نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى وَلَٰكِن حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْإِثْمَةِ وَالتَّاسِ أَجْمَعِينَ (سورہ نباہ: ۳۱)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دیتے ہرئی کو اس کی ہدایت لیکن یہی ہو سکتی ہرئی کی بات کہ مجھ کو بھرنے سے وہ دوزخ جہنم اور آدمیوں سے اکٹھے ہر بات کی ہو بھی حتیٰ کہ وہ حتیٰ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں کے دعوے لایا غیور تہم

أَجْمَعِينَ (بَلَايَا ذَكَرَهُمُ الْمُخْلَصِينَ) (سورہ کہل: ۱۷) اس کو مگر جو بندے ہیں تجھے ان میں سے ہے ہونے کے جواب میں فرمایا فَإِنِّي قَاتِلُهُنَّ وَالْحَقُّ أَقْوَمُ لَا مَلْجَأَ لَجَهَنَّمَ مِنْكَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (قرآن مجید: بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں میں ضرور بھڑوں کا جہنم کو تھکے سے اور ان میں سے جو تیری راہ پر چلے ان سب سے) (سورہ ص: ۵۵-۵۶)

جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھرنے کے قول کے بعد یہ فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًى (اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دیتے ہرئی کو اس کی ہدایت) پس اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر سب کو مومن بنانا لیکن وہ اپنے قول کے خلاف نہیں کرتے معلوم ہوا کہ اپنے قول کے خلاف کرنے کی اسے قدرت ہے لیکن وہ قدرت کے بعد خلاف کرتا نہیں ہے۔ مذکورہ قرآن کے عمل اور نتیجہ نہ ہونے کی مندرجہ ذیل تصریحات ہیں۔

۱۔ ارشاد الہی ہے: حضرت یحییٰ علیہ السلام روز محضر عرض کریں گے۔

إِنِّي تَعَيَّنْتُ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ يَبْهَتُونَ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْمَرْبُورُ الْمُتَعَيِّنُ (سورہ نباہ: ۸۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زیورست ہیں شکست والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ان کو ان کی بدعتیگی یعنی شرک پر سزا دیں تو آپ بھی آپ معاف ہیں کیونکہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مانگ ہیں اور مانگ کو حق ہے کہ بخود کو ان کے جرائم پر سزا دے۔ اور آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ بھی آپ معاف ہیں کیونکہ آپ زیورست قدرت والے ہیں تو معافی پر بھی قادر ہیں اور شکست والے بھی ہیں اور آپ کی معافی بھی شکست کے موافق ہوگی اس لئے اس میں کوئی حق نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا یہ خطاب ذکر فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْيُرُ أَمْرًا يُبَشِّرُكَ بِهِ (اللہ اس کو معاف نہیں فرمائیں گے کہ ان کے ساتھ شرک کیا جائے) تو

شرک پر ہم مغفرت کی وعید دے کر۔ لیکن حضرت یحییٰ علیہ السلام عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ اپنے خلیفہ اور وعید کے مطابق ان کو سزا دیں تو جب بھی آپ عذر ہیں اور اگر خلیفہ اور وعید کے برخلاف آپ پھر اس کو معاف فرمادیں تو جب بھی آپ عذر ہیں کیونکہ آپ لزوم قدرت والے ہیں جس میں معافی بھی شامل ہے۔

علاء یسئلوی رحمہ اللہ اس حدیث کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں۔
وَعَدَمُ غَفَرَانِ الْمُشْرِكِ مُقْتَضِيهِ الْوَعِيدَ فَلَا امْتِنَانًا فِيهِ وَقِيلَ لَا يَغْفِرُ
یعنی شرک کی عدم مغفرت وعید کا تقاضا ہے اور وعید کی وجہ سے ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ (شرک کی مغفرت) اپنی ذات کے اعتبار سے محل اور مستحق ہے۔

مذہب مخالف میں ہے۔
لَا يَقَالُ إِنَّهُ يَسْتَلْزِمُ جَوَازُهُمَا وَهُوَ أَيْضًا مَحَالٌّ لِأَنَّا نَقُولُ
إِسْتِحْبَاقُهُ مُتَمَوِّعَةٌ كَيْفَ وَهُمَا مِنَ الْمُحْتَمَلَاتِ الَّتِي تَسْتَلْزِمُهَا قُدْرَتُهُ
تعالیٰ

کوئی یہ نہ کہے کہ ایسا ظف وعید (وعید کا خلاف ہونا) اور کذب کا جواز لازم آئے گا کہ محل ہے کیونکہ محرم کا محل ہونا نہیں ہلکتے اور محل کیونکر ہو سکتے ہیں جب کہ ظف اور کذب ان محتملات میں داخل ہیں جن کو قدرت ہادی قلی شامل ہے۔

اللہ قلی کی قدرت کا ان قیاح کو بھی عام ہونا اور شامل ہونا اہلسنت کا مذہب ہے۔

بیاہ شرح سلمہ میں ہے۔
اما حیونہ ای القدرة علی ما ذکر ثم الامتناع عن متعلقها
اختیاراً فهو بمنزلة الاشاعرة البقہ۔
الفضل مذکورہ (یعنی قلم و کذب وغیرہ) پر قدرت تو ہو مگر اختیار طرد ان کا اور کذب نہ کیا جائے یہ قول مذہب (اہلسنت) اشاعر کے لئے مناسب ہے۔

مذہب اہل اولاد و مشیت

یعنی اللہ قلی کو صفت اولاد حاصل ہے کہ جس سے موجود یا معدوم کرنے میں کسی مقدر کو جس وقت چاہے اور جس طرح چاہے خاص کر لیتا ہے۔ لہذا جو بھی چیز ہوتی ہے اسی کے اولاد سے ہوتی ہے۔ اس نے اول میں جو اولاد کر لیا تھا اب اسی کے مطابق جو رہا ہے۔ ارشاد الہی ہے فَقَالُوا إِنَّمَا بُرِّئُوا بِعَيْنِ اللَّهِ كَرَّاهُ كَرَّاهُ
اس کو کر لیتا ہے یہ جس کو کہ کسی چیز کا اولاد کہے پھر وہ چیز نہ ہو ورنہ پھر لازم آئے گی اس لئے کہ یہ عالم کہ جس کے ظلم سے مقدر کی مشیت جبریں اور اس میں یہ گناہوں کا جواب کہ جن سے عذاب سرگردان ہیں بغیر اولاد کے پیدا کرنا محال ہے کیونکہ جو افضل کو اولاد کے بغیر خود بخود محل عرض کے باقی کی حرکت کے سرزد ہوتے ہیں ان میں یہ عجیب و غریب ظلم و انکسار نہیں ہوتا۔

فرض عالم کی کوئی چیز اپنے کے اولاد اور مشیت سے باہر نہیں ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ ملائکہ اور شیائیں اور جن اور انس میں جو اولاد ہے وہ اسی کا پیدا کردہ ہے۔ حقیقی کہ اولاد اللہ کے اولاد اور مشیت کے باقی ہے۔ قرآن پاک میں قُلُوبُهُمْ وَمَا تَشَاءُونَ لَا تَخْلُفُ أَلْفًا رَبُّكَ
الْعَالَمِينَ (سورہ النجم ۲۹) تم بدلتے خدا سے رب العالمین کے چاہے بکے نہیں چاہ سکتے ہو۔

اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب پہلے اولاد خداوندی ہوتا ہے کہ بعد میں اولاد کرے اس کے بعد بعد اولاد کرتا ہے تو اگر بندے کا اولاد بھی ہے تو اس کا سوتر یعنی اولاد خداوندی بھی قیح ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد خداوندی بزرگان مصطفیٰ پر مشتمل ہے کیونکہ اللہ قلی حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی اولاد اور فعل حکمت و معصیت سے خلل نہیں ہوتا اس لئے وہ قیح نہیں جب کہ بندے کا فعل معصیت کی وجہ سے قیح ہوتا ہے اس پر اگر یہ شبہ ہو کہ گو ارادۂ خداوندی میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی مگر بندہ کا غیر خدا ہونا تو لازم آگیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ

ارادہ خداوندی خاص اس طریق سے متعلق ہوا ہے کہ بندہ اختیار خود یہ فعل کرے گا
فقط بندے کے ارادہ اور اختیار کو تو زیادہ جائید حاصل ہو سکتی اور اس کا ثبوت اور
ثبات ہو گیا ہے کہ بندے کا ارادہ سرے سے کلام ہو گیا۔

نوٹ: اس بارے میں مزید تحصیل آئندہ آئے گی۔

فرض قدم کائنات پر وہ عدم میں تھیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے
ان کے وجود کو ان کے عدم پر ترجیح دی اور ان کے وجود کے لئے ایک لذت معین کر
دی۔ اس کے ارادہ کے مطابق کائنات عالم اپنے اپنے وقت میں اس کے حکم سے وجود
میں آئیں۔

۱۔ صفت کلام

اللہ تعالیٰ حکم ہے یعنی کلام اس کی صفت ہے اور قسم اور اٹلی ہے اور اس کی
ذات کے ساتھ قائم اور موجود ہے لیکن اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح نہیں۔

اٹلی حق کے نزدیک جو کلام خدا کی صفت ہے وہ حروف و آواز سے مرکب نہیں
بلکہ وہ ایک صفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کو کلام نفسی
کہتے ہیں کیونکہ کلام اصل میں مضمون اور معنی کو کہتے ہیں چنانچہ اٹلی شاعر کہتا ہے۔

ان الکلام لغی الغواد و انما

جعل - اللسان علی الغواد بلیلا

کلام دل میں ہوتا ہے اور زبان تو محض اس دل کے مضمون پر ولادت کرتی ہے۔
ہم لوگ دل کے اس مضمون کو بھی زبان سے ادا کرتے ہیں بھی لکھ کر بتا دیتے
ہیں اور بھی اشاروں سے خبر کرتے ہیں ہم کلام کی فراہمی یعنی حکم میں قادر اور
حرف اور صوت (یعنی آواز) کے متعلق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس سے جدا ہیں وہ ہماری
طرح حروف و آواز سے حکم نہیں فرماتے۔ البتہ بندے چونکہ اپنی قراوت اور علامت
میں اور اپنی سماعت میں حروف اور صوت کے متعلق ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے

قرآن کو (جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) حروف اور کلمات کے لباس میں ڈھلایا گیا تاکہ بندے
اس کو چند کچھ سمجھ سکیں اور سن سکیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس
دے کر ہمارے فطری طریقہ اسلوب و نظام پر ڈھلایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ
اصلاحی کا مطلب بتایا ہے جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو زبان کے ذریعہ حرف اور
آواز کے لباس میں ڈاکر ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح اپنے یہ شیعہ مطلب و مقصد کو
عبرہ علوہ میں لائے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام نفسی کو ہمیں زبان کے
ذریعہ کے محض اپنی قدرت کلمہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر
نکھایا ہے اور اپنے یہ شیعہ کلام و امر و نہی کو حروف اور آواز کے حتم میں ڈاکر علوہ کے
میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ یہی کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام عقلی
مشققت۔ حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے
جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور عقلی حقیقت کے طور پر جدا
کام ہیں نہ یہ کہ جسم اول (کلام نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (یعنی عقلی) مجاز
ہے۔

فرض کلام الہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک
صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس کے قسم ہونے میں کسی کا
انکشاف نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلمات مراد لئے جاتے ہیں جن
کو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کے لئے بطور لباس مقرر فرمایا ہے۔ قرآن کو
اللہ کا کلام اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کلمات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ
کے کلام نفسی کے یہ بطور لباس ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم لوگ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن الفاظ اور معانی
کے مجموعہ کا نام ہے۔ البتہ قرآن کی قرأت اور سماعت اور کلامت یہ عادت اور مخلوق ہے اس

لئے کہ قزاقوں اور صحت اور کثرت یہ بندے کے افضل ہیں اور بندے کے افضل
ملوث اور قتل ہیں۔

صفت ص

یعنی اس کو شہابی اور شے کا وصف حاصل ہے۔ وہ تمام مخلوق کی ایک وقت دعا
اور آواز کو سنتا ہے اور ایک بات کا سنا اس کو دوسری بات کے سننے سے مانع نہیں ہوتا
اور عالم کی مختلف زبانیں اس کو التفہام میں نہیں آتیں۔ وہ ایک لمحہ پر ہندوں کے
چھانسنے اور پھاڑوں کے اندر کیڑوں کے جھجھکنے اور اندھیری رات میں چوٹی کے
چنے کی آواز اور دہان میں گھلیوں کی آوازیں سنتا ہے حتیٰ کہ چمچ اور چوٹی کی باریک
نہوں میں جب خون دوڑا کرتا ہوا ایک بندہ جوڑ سے عقل ہو کر دوسرے ہوڑی
طرف جاتا ہے تو وہ اس خون کے سیلان کی آواز کو صاف سنتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی
آیا ہے إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ یعنی اللہ تعالیٰ سنے والا اور خبردار ہے۔

۶۔ صفت بھر

یعنی اس کو وصف بھارت حاصل ہے کہ جس کے سبب ہر چیز کو دیکھا ہے خود
کوئی چیز اندھیرے میں ہو خواہ اجالے میں خواہ نزدیک ہو خواہ دور ہو خواہ دن میں ہو
خواہ رات میں ہو خواہ سختی ہی چھوٹی ہو خواہ بڑی سب کو ہر وقت بلا غفلت دیکھ
ہے کسی وقت میں کوئی شے اس سے چھپی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس صفت کا ذکر
کئی آیات میں آیا ہے خَلَّا أَشْءَ يَكْتُمُ لَهَا رَبُّهَا نَبَاهُ لَهَا قَوْلُ نَضَعُهَا
۷۔ صفت علم

وہ علم والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔

ہو علم ایک ذرہ پوشیدہ نیست

کہ پیدا و پندل بہ روش یکے است

فلذا جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہو گا ان سب باتوں کو پوری نصیحت کے
ساتھ ازل ہی میں جان لیا تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کلمہ کہے گا اور فلاں وقت
میں یہ کچھ ہو گا یہاں تک کہ اگر ساتویں آسمان پر یا تحت اٹری میں چمچا اپنے پر کو
ہائے یا کوئی شخص اپنے دل میں کسی طرح کا دوسرا کلمہ وہ بھی اس کو معلوم ہے اور
ایسا اس لئے ہے کہ عالم کو پیدا کرنا پھر اس کو بقی رکھنا اور پرورش کرنا اور ہر شخص کے
حسب عمل عبادت و نافرمانی کا علم کے بغیر عمل ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ الْغُيُوبِ (سورۃ النحل: ۴)

اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو
اور جو ظاہر کرتے ہو اور اللہ کو معلوم ہے دلوں کی بات۔

يَعْلَمُ مَا بَلَغَ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا
يَنْزِلُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حدید: ۳)

اللہ جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اندر جو اس سے لگا ہے اور جو کچھ اترتا
ہے آسمان سے اور جو کچھ اس میں جڑتا ہے اور وہ سراسر ساتھ ہے جہاں کہیں تم
ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

يُخَبِّرُ عَنْ أَنْتَ نَكْرًا بَيْنَافَانِ خَبَرٌ مِنْ خَزَائِنِ فَتَكُنُ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي
السَّمُوتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِي بِهَا اللَّهُ لَيْفًا تَبَيُّرًا (احقاف: ۱۷)

اسے بتے اگر کوئی چیز ہو رانی کے دانے کے برابر کی پھر وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں
میں یا زمین میں لے آئے گا اس کو لکھ ہے لکھ لکھ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو
خبردار ہے۔

۸۔ صفت حکمران و تحقیق

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حکمران و تحقیق ہے۔ تحقیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں

اور تجویز کے معنی کسی چیز کو وجود میں لانے کے ہیں۔ خدا تعالیٰ تمام عالم کا خالق اور
مکون ہے اور ازل سے اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ تحقق کے یہی اکرنے سے
پہلے ہی وہ خالق قادریت اس صفت کا تصور عقول کے پیدا ہونے کے بعد ہوا یعنی دنیا پر
اس کا خالق ہونا اس وقت ظاہر ہوا کہ جب عقول پیدا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اشیاء عالم کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ مگر اللہ کسی چیز کی مدد
سے اللہ نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا یعنی اشیاء عالم سے پہلے کوئی مادہ (Matter) موجود
نہ تھا کہ جس سے اس نے اشیاء کو پیدا کیا ہو۔ *فَلَمْ يَكُنْ لَكَ خَلْقٌ شَيْءٌ* اللہ تعالیٰ ہر چیز کا
خالق ہے خواہ وہ ہوا کوئی اور چیز ہو۔ مادہ اور طبیعت سب اس کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟

فلاسفہ کہتے ہیں کہ ابتدا میں خدا کے ساتھ ایک اور شے بھی تھی جس کا نام
انہوں نے مادہ اور پتلی (Matter) رکھا ہے اور اس سے تمام کائنات کا تصور ہوا
ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ ازل میں صرف حق تعالیٰ تھا اور اس کے سوا
کوئی شے نہ تھی اس لیے ظہور اور قدرت اور اولیٰ سے جس طرح جہاں کائنات کو
پیدا کیا۔

اس مسئلہ کو شہداء اہل بیت شہید رحمہ اللہ نے جنت میں طرب واضح کیا ہے۔
مولانا ماکر اصغر مکی نے اپنی کتاب *حدیث اجمیر* میں اس کو سلی انداز میں
پاں بیان کیا ہے۔

"فلاسفہ اسلام اور صوفیہ کا نظریہ ہے کہ انسان کو جب کسی چیز کا علم خواں کے
ذریعہ سے ہوتا ہے تو اس طبعی اثر کے بعد انسان میں اس کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے
کہ اپنی معلوم کی ہوئی شے کو اپنی خیالی قوت سے پیدا کرے۔

فطرت کبہ میں خلق ابن مٹی رحمہ اللہ کہتے ہیں بالوہم بمحقق کل انسان

فی قوتہ خیالہ مالا وجودہ الا فیہا اس کو ہم (مجازاً) انسان کا تحقیق عمل
کہتے ہیں۔

انسان جب عالم خیال میں عمل کرتا ہے اور مثلاً یہ ارادہ کرتا ہے کہ میں دہلی کی
دھان میں بادشاہی مسجد کو پیدا کروں تو وہ اس کا خیال کرنے کے بعد ہرچیز سے متعلق ہو کر
استحالی کیسوی کے ساتھ خیال میں قائم کی ہوئی اس عمارت کے تصور میں یکم اس طرح
منسک اور متعلق ہو جاتا ہے کہ وہ دھانیں جو اب تک اس کے تحت اشعار میں
پاشیدہ تھیں وہ اس درجہ سے نکل کر اس کے تفصیلی تصور کے سامنے آ جاتی ہیں یعنی
جہانے منقول ہونے کے عمل ہو گئی ہیں تو یک جیسے خند میں آتی ہیں معمولت سے
متعلق ہو کر نئی چیزوں کے مشابہ سے میں ادب جاتا ہے جو اس کے خزان خیال میں
محفوظ ہوتی ہیں۔

اپنی اس خیالی اور واقعی تحقیق سے جس قسم کے تعلقات انسان کے ہوتے ہیں
قرآن پاک نے ان سارے تعلقات اور روابط کو خدا اور عالم کے درمیان جہت کیا ہے
مثلاً

۱۔ پسلا تعلق قرآن کا دعویٰ ہے کہ حق تعالیٰ نے پھر مادہ کے پیدا کیا ہے جیسا کہ
يَدْبِغُ الشَّيْءُ وَالْأَرْضِ کے قرآنی الفاظ کا انکشاف یہ ہے۔ اسی کی تفسیر حدیث
میں ہے کہ کان اللہ ولم یکن معه شئی (عالم کو ماننے سے پہلے صرف اللہ موجود
تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور شے موجود نہ تھی) جس کے معنی یہی ہیں کہ انسان و
انسانیکہ نہ تھے اور پھر پیدا ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں خدا کے سوا کوئی نہ تھا یعنی مادہ و فیرہہ کچھ نہیں تھا پھر
خدا نے قوت کن (یعنی اپنی تحقیق قوت) سے اس عالم کو پیدا کیا۔ تو یکم جس طرح
خدا نے خیال میں کچھ نہیں ہوتا پھر محض اپنے ارادہ سے اپنی معلومت کو ہم وجود عطا
کرے ہیں۔

۲۔ دوسرا تعلق: اسی طرح قرآن کا بیان ہے کہ *وَمَا أَمْرُهُ السَّاعَةِ إِلَّا كَنَفْعٍ*

الْبَصِيرَ أَوْ هُوَ أَفْزَرُ رَبِّ (یعنی موجودہ تمام عالم کی برابری کے لئے یا قیام قیامت کے لئے)
 پاک بھجائے بلکہ اس سے بھی کم زندگی ضرورت ہے) ہم بھی جب اپنی خدائی اور
 ملی حقوق مثلاً اسی بادشاہی مسجد کو جسے خدائی میں پیدا کرتے ہیں اگر بڑا کرنا چاہیں تو
 اس کے لئے رقم بھر (بیک بھجائے) سے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں صرف توجہ بتائیں
 کافی ہے توجہ بتانے کے ساتھ ہی عمارتی خدائی مخلوقات معدوم ہو جاتی ہیں اور غیر
 کسی مدد چھوڑنے کے معدوم ہو جاتی ہیں۔

سہ تیسرا تعلق: عمارتی خدائی اور ملی حقوق مثلاً بادشاہی مسجد جس طرح پیدا ہونے
 میں ادارے ارادہ اور توجہ کی تلاش ہے لیکن اس طرح ہر لکھ اور ہر لکھ اپنے قیام و بقا
 میں بھی عمارتی توجہ اور الفت کی وہ دست مگر ہے۔ یہی قرآن کا بھی بیان ہے کہ
 خدا نے تعلق عالم کا صرف خالق ہی نہیں ہے۔ بلکہ قدم بھی ہے یعنی وہی اسے تھامے
 ہوئے ہے (یعنی عالم اسی سے قائم ہے) اگر کوئی الفت اس کی طرف سے ہٹائے تو
 تمام عالم درہم درہم ہولے گا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

یعنی لفظ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ ہے (یعنی مردہ ہوا نہیں ہے) قدم
 ہے (یعنی عالم کو تھامے ہوئے ہے) اسے نہ غموں کی کھڑکی ہے اور نہ نیند چھوٹی ہے۔
 (کیونکہ اگر ایسا ہو تو تمام عالم قائم نہیں رہ سکتا۔)

اپنے خدائی میں کسی مخلوق کو یہ کہہ کر کے یعنی تصور قائم کر کے اگر کوئی لگم ہائے
 ڈالے ہائے تو اس کی یہ پیدائی ہوئی مخلوق کیا جاتی رہ سکتی ہے؟

سہ چوتھا تعلق: اب اس پر غور کیجئے کہ مثلاً وہ اپنی حقیقی قوت سے عالم خدائی
 میں جس وقت بادشاہی مسجد کو پیدا کرنا ہے کیا وہ خود بادشاہی مسجد بن جاتا ہے یا
 بادشاہی مسجد زندہ بن جاتی ہے؟ ہم باغور و فکر سے جاننے کے لیا نہیں ہے۔ لیکن
 اسی کے ساتھ اس کو سمجھنے کے اس خدائی اور ملی بادشاہی مسجد کا وجود و نہی کے دائرہ اور

دائرہ سے کیا جدا ہے؟ اس کے ہونے کے معنی مجراں کے اور کیا ہیں کہ اس کا ارادہ
 اور اس کی توجہ اس کی طرف ہے یہ نہ ہو تو بادشاہی مسجد کی نہ دوا میں ہوں نہ عراب
 اور نہ حیرت تو اسی طرح سمجھئے کہ نہ عالم خدا بن گیا ہے نہ خدا عالم بن گیا ہے لیکن
 عالم کا وجود مجراں کے وجود اور ارادہ کے کچھ نہیں۔

شہ پانچواں تعلق: اس پر بھی غور کیجئے کہ آپ جس وقت اپنی خدائی حقوق کو دینی
 میں پیدا کرتے ہیں کیا اپنے آپ کو اس خدائی حقوق کے کسی ذیلی، حتمی، ظاہری و باطنی
 حصہ سے قائل ہاتھ ہیں؟ غور کیجئے کہ آپ جس طرح اپنے آپ کو اس کی دوا میں کی
 جز کے پاس ہاتھ ہیں اسی طرح اس کے جہادوں پر بھی یقیناً نہیں گئے۔ آپ کو جو
 نسبت اس کے ظاہر سے ہے اس کے باطن سے بھی وہی نسبت آپ کو ہو گی۔ قرآن
 بھی یہی کہتا ہے کہ خالق قدم عالم کے دل میں بھی ہے اور آخر میں بھی ظاہر میں بھی
 ہے اور باطن میں بھی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

۔ اول دل ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کا جاننے والا
 ہے۔

لیکن فرمایا جاتا ہے کہ خدا عرض پر ہے نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ انسان کی رنگ
 کردار کے پاس بھی ہے۔ خود ہی خود کیجئے ایک خالق اور اس کی مخلوق میں اس کے
 سوا اور نسبت ہی کیا ہوتی ہے؟ آخر آپ بھی تو اپنے آپ کو اپنی خدائی بادشاہی مسجد کے
 جہادوں پر بھی ہاتھ ہیں اور اس کی دوا کی جہادوں کے پاس بھی۔ پھر اگر اس عالم کا
 خالق اگر عرض پر بھی ہو اور آپ کی شہادت کے بھی زیادہ قریب ہو تو اس کے سوا
 اور مثل متقی کیا کہہ سکتے ہیں۔

۶۔ چھٹا تعلق: اب دیکھئے بادشاہی مسجد ایک غریب و عریض عمارت ہے۔ آپ اپنے
 دامن میں جس وقت اسے پیدا کرتے ہیں اس غریب و عریض کے ساتھ پیدا کرتے ہیں۔

اس لہائی اور چڑائی کے بلجور آپ اپنے آپ کو کیا اسکے ذمہ ذمہ پر محمل میں پاتے؟
قرآن بھی یہی کہتا ہے وَاللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اللہ جو چاہے وہ جسے چاہے کرتا ہے)

۷۔ ساتھ قائل: آپ جس وقت اپنے ذہن میں کسی پہاڑ یا کسی شے کو پیدا کرتے ہیں کیا اس ذہنی خیال یا عقلی خلق میں کسی دوسرے کے ارادے سے کوئی چیز اپنی جگہ سے مل سکتی ہے۔ غور کیجئے اس کا پروردہ آپ ہی کی مرضی اور آپ ہی کے ارادہ کا پابند ہے۔ دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے
اِنْ يَشَاءِ اللّٰهُ يُغَيِّرْ فَعْلًا كَمَا يُغَيِّرُ فَعْلًا هُوَ ذَا الَّذِي يُرَوِّدُكُمْ فِيْ بَحْرٍ مُّتَجَرِّدٍ فَلَا تَرٰدَةَ لِّغُلُوْبِهِ

اگر چھوٹے لٹے جیسے کسی ضرر کے ساتھ تو اسے کوئی کھولے والا نہیں دیتا۔
اور وہ اگر ارادہ کرے جسے ساتھ بھائی کا کوئی اس کی مہربانی کا پھٹنے والا نہیں ہے۔
یعنی اس عالم کے کسی حصہ میں کوئی واقعہ بھی ہو بغیر ارادہ اذن حق کے نہیں ہو سکتا اور کسی دوسرے کا تصور یا ارادہ یا فعل اس میں قطعاً موثر نہیں ہو سکتا۔

۸۔ آٹھواں قائل: آپ جب خیالی بدشئی سمجھ کو پیدا کرتے ہیں تو جہاں آپ ہوتے ہیں کیا بدشئی سمجھ بھی وہیں نہیں ہوتی۔ جب میرا ہے تو خدا نے جب عالم کو پیدا کیا اور خدا اس کا خالق اور وہ اس کا خالق ہے تو اس کے بعد یہ سوال کتنا بے معنی ہو جاتا ہے کہ عالم کہاں ہے اور خدا کہاں ہے؟ جب قرآن میں فرمایا گیا ہُوَ مَعَكُمْ اِنْ مَّا كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ تو کجب ہوا کہ جہاں ہم ہوتے ہیں وہیں خدا اس طرح ہو سکتا ہے لیکن لوگ اپنی ذہنی تخلیق کے حقائق میں سوچتے کہ جہاں وہ ہوتے ہیں وہیں ان کی وہ تخلیق بھی ہوتی ہے۔

اسی کے ساتھ اگر آدمی اپنی ذہنی مخلوق کے حقائق غور کرے تو کیا اپنے آپ کو ان کے نیچے یا اوپر یا کسی اور سمت میں پاتا ہے؟ یقیناً خالق و مخلوق میں کوئی ایسی سستی نسبت نہیں ہوتی۔ پھر کیا ہو اگر قرآن میں اعلان کیا گیا کہ اِنَّمَا تَنۡوَكُوۡا فَنۡتَوَكُّعُهُۥ ۙ اَلۡلّٰهُ يَتَوَكَّلُ عَلٰی سَرۡعِ الدَّٰرِ ۙ وہیں خدا ہے۔

ممکنات اور ان کے آثار و خواص سب اللہ تعالیٰ کی ایجاد ہیں

جس طرح تمام ممکنات خواہ وہ زمین و آسمان ہوں، عناصر ہوں یا اللہ کا دو کا ہوں
ہوں اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے وجود میں نہیں اس طرح ان تمام ممکنات کے خواص (Characteristics) اور آثار اور ان کی صفات اور کیفیات بھی اس قدر حقاری
ایکڑ سے ہیں۔ اگر کوئی مضر گرم ہے تو اس کی ایجاد سے گرم ہے اور اگر کوئی مضر سرد
ہے تو اسی کی ایجاد سے سرد ہے۔ جس طرح آگ اور پانی کا وجود اسی کا عطیہ ہے اسی
طرح آگ کی حرارت اور پانی کی برودت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کوئی شے خود بخود
گرم اور سرد نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ جس طرح ممکنات کے وجود کا مانگ ہے کہ جب چاہے ان کے وجود کو
سلب کر لے اسی طرح وہ ممکنات کی خاصیتوں اور کیفیتوں کا بھی مانگ ہے جب چاہے
جس ممکن کی خاصیت کو چاہے سلب کر لے مثلاً اپنے کسی برگزیدہ بندہ کے لئے آگ کی
حرارت سلب کر کے اس کو بوند و سلام بنا دے۔

جس طرح ممکنات اور ان کی تمام صفات اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی ممکن ہیں اسی
طرح اپنی جگہ میں بھی اس کی ممکن ہیں۔ ذات ہو یا صفت حقیقت ہو یا خاصیت ان
سب کا وجود اور بقا اسی کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے جب تک چاہے گا اس وقت
تک وہ ذات یا وہ صفت اور خاصیت پائی رہے گی اور جب چاہے گا تو اس ذات یا اس
صفت اور خاصیت کو سلب کر لے گا۔ اسی نے اسباب اور مسببات (Causes And Effects)
کو پیدا کیا اور اسی نے اسباب میں سببیت پیدا کی سبب خود بخود سبب نہیں
بن سکتا۔

اللہ تعالیٰ خیر و شر دونوں کا خالق ہے

حق تعالیٰ خالق خیر بھی ہے اور خالق شر بھی۔ وہ خیر و شر دونوں کا پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے اور اور خلقت 'طهارت اور نجاست' فرشتے اور شیاطین' نیک اور بد سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر انہوں سے راضی ہے اور بدوں سے ناراض ہے۔

خلق کے لئے قدرت اور ارادہ کا ہونا ضروری ہے۔ معجزہ اس بات کے قائل تھے کہ کسی شیخ کو شر کا خلق دیکھا بھی شیخ ہے اور اس کا ارادہ بھی شیخ ہے لہذا اللہ تعالیٰ شر اور شیخ کا ارادہ نہیں کرتے اور وہ اس کا دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور فاسق سے ایمان اور اطاعت کا ارادہ کرتے ہیں مگر اور مصیبت کا نہیں ہے۔

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ شیخ کا خلق اور ارادہ شیخ نہیں ہوتا بلکہ شیخ کا ارادہ اور کس اور شیخ کے ساتھ متصف ہوتا شیخ ہوتا ہے اور معجزہ کے عقیدے پر وہ کہتے تھے کہ اللہ کے ارادہ کے زیادہ تر افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہوں کیونکہ کفر اور مصیبت ایمان اور اطاعت کے مقابلے میں دنیا میں زیادہ ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک شیخ کا ارادہ کریں اور بد سے اللہ کے ارادے کے خلاف عمل کرنا انہیں اس سے اللہ تعالیٰ کا شیعہ عاجز ہونا ظاہر ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہ سے پاک اور برتر ہیں۔ خود قرآن پاک میں ہے تَعَالَىٰ يَمِينًا بَرِينًا (اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ کرتا ہے اس کو کرگزشتہ والا ہے)۔

عمر بن عبد ایک قدیم معنیٰ اللہ خود اس کا کہتا ہے کہ جیسے ابراہیم ایک نبی نے مجھے دیا جیسے ابراہیم کسی اور نے نہیں دیا۔ اس نے اللہ بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک کشتی میں ایک نبی بھی سوار تھا میں نے اس سے کہا کہ تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا؟ اس نے (معجزہ کے عقیدے کے پیش نظر) جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے

اسلام کا ارادہ نہیں کیا (یعنی تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اللہ نے میرے اسلام کا ارادہ نہیں کیا لہذا معلوم ہوا کہ اسلام خیر نہیں ہے بلکہ شر ہے) عمر بن عبد کہتا ہے کہ میں نے اس نبی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو میرے اسلام کا ارادہ کرتے ہیں لیکن شیطان تجھے نہیں چھوڑے گا تو نبی نے جوابا کہا کہ پھر تو مجھے غالب فریق کے ساتھ رہنا چاہئے (یعنی اللہ ارادہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں مسلمان ہو چوں لیکن شیطان اللہ کے ارادے کو پورا نہیں ہونے دیتا تو شیطان اللہ پر غالب ہونے تو عقل کے مطابق دونوں میں سے جو غالب ہو اس کا عقیدہ رکھنا چاہئے نہ کہ مطلوب کا)۔

عمر بن عبد معنیٰ کا یہ لفظ عقیدہ ہی تھا جس کی وجہ سے نبی اس کو ابراہیم دینے پر قادر ہوا۔ اور یہ بھی دعا ہے کہ اس قدر کہ بعد اس نے اپنے مذہب اعتزال کو اپنی ترک کر دیا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافر اور فاسق سے کفر اور فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں لیکن خود ان کے اعتقاد کے ساتھ لہذا اللہ تعالیٰ کے ارادے سے وہ کفر اور فتنہ پر مجبور نہیں ہو جتے جس کی بدی دیکھ کر کافر اور فاسق کا خود اپنے احساس اور وجدان ہے کہ وہ اپنے کفر اور فتنہ میں پھنسا رہے مجبور نہیں ہے۔

تنبیہ

اللہ شر کو نہ اخلاقی کی طرف منسوب کرنا خلاف ارب ہے لہذا حق تعالیٰ کو خالق شر کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے بلکہ یا تو خالق خیر و شر کہنا چاہئے یا خالق کل شئی (ہر شے کا خالق) کہنا چاہئے۔ اسی طرح خالق اعتقادات اور خالق الحکماء (نہایتوں اور خیروں کا پیدا کرنے والا) بھی ہرگز نہ کہنا چاہئے۔ حق تعالیٰ کی پاک جناب میں ایسا لفظ کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔

اس کو ایسے سمجھیں کہ وہی کا کہنا اس کی من کا شر بھی ہوتا ہے۔ اب اگر یہ شخص اپنے والد کو بجائے والد صاحب یا باپائی کہنے کے جوں کے ہے کہ یہ میری من کے

شہرین یا اسے میری ماں کے شہر تو سختی ہے اولیٰ اور سختی کی بات ہے۔

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

حق تعالیٰ جس طرح بندوں کی اذیت کا خالق ہے اس طرح حق تعالیٰ کے اخلق اور
مخلوق اور مخلوقات اور افعال کا بھی خالق ہے وہ افعال خواہ غیر ہوں یا شرب اسی کی
قدیم اور علم اور ارادہ اور مشیت سے ہیں لیکن غیر سے وہ راضی ہے اور شر سے
راضی نہیں۔

جس طرح بندہ خدا کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور خدا کے دیکھے ہوئے
کاٹوں سے کٹتا ہے اسی طرح خدا کی دی ہوئی قدرت اور اختیار سے کچھ کلم کرتا ہے
اگرچہ اس کے تمام کلم اور تمام افعال خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی کی قدرت اور
ارادے سے سرزد ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کو اس محسوس مثل میں سمجھیں کہ ایک بڑا ہماری چڑبے کہ زید جو
کہ آقا ہے اس کو تھا آسانی سے اٹھا سکتا ہے مگر غلط ہے کہ ظلم ہے اس سے جتنا تک
نہیں۔ زید نے غلطی سے کہا کہ اس چکر کا اٹھانا ہمارے قانون میں جرم ہے اور اگرچہ
کوئی اس کو نہیں اٹھا سکتا مگر ہم نے اس ضمن کے لئے کیا یہ معمول مقرر کیا ہے کہ جو
اس کے اٹھانے کے ارادے سے اس کو ہاتھ لگاتا ہے ہم اٹھا دیتے ہیں مگر یہ اٹھانا اس
کی طرف نہیں وجہ منسوب کیا جاتا ہے کہ اس نے ارادہ کیا تھا جس پر ہمارا اٹھانا
مرتب ہوا۔ اگر وہ ارادہ نہ کرتا تو ہم اس چکر کو نہ اٹھاتے اور وہ مجرم قرار نہ دیا جاتا
فرض زید نے اس قانون اور معمول پر مطلع ہونے کے بعد غلطی سے چکر کے پاس ہتھکڑی
اس کو اٹھانے کے ارادے سے ہاتھ لگایا اور اٹھانے پر آمادہ ہوا زید نے اپنے معمول
کے موافق فرار و چکر اٹھا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ ہر عامل اس صورت میں غلطی کو
مجرم قرار دینے کا اور زید پر کسی قسم کا الزام نہیں رکھ سکتے۔

میں اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے بندے کو ارادہ اور قوت کسب عطا فرمائی مگر وہ
انہی فعل کے لئے کافی نہیں۔ لہذا حق تعالیٰ نے اپنا معمول مقرر کیا ہے کہ جب بندہ کسی
فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے لہذا مذکورہ مثل کے مطابق جو
کچھ اعتراض ہے بندہ پر ہے حق تعالیٰ اس سے خواہ ہے۔

معتزل اس بات کے قائل تھے کہ بندہ اپنے افعال و افعال کا خود خالق ہے لیکن
اس کی یہ بات درست نہیں اس کی وجہ تو یہ بتائی جا چکی ہے علاوہ انہیں خود قرآن پاک
میں واضح طور پر فرمایا واللہ خلقکم وما نفعنکم شیئاً اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا
اور جو عمل تم کرتے ہو اس کو بھی پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی تزیینات

پہلی تزیین : اللہ تعالیٰ تمام مخلوق اور محبوب اور حدوث اور اشیا کے
مخلوق اور ملاحظوں سے خواہ و میرا اور پاک ہے۔ نہ جسم و جسمی ہے اور نہ مکان
اور نہ جگہ ہے۔ اس کی ہر جگہ میں مکان، زمان اور جست کی مخالفت نہیں کیونکہ یہ سب تو
خود اس کی مخلوق ہیں۔ لہذا

وہ کسی کا کسی چیز میں محتاج نہیں

اپنی ذات اور مخلوق اور کسی کلم میں وہ کسی کا محتاج نہیں کیونکہ اس کی ذات اور
مخلوقات کے سوا سب عالم (یعنی ہوا اللہ) میں داخل ہے اور کل عالم اس کا محتاج ہے
اور بخدا ہوا ہے۔ لہذا اگر اس کو کسی چیز میں کسی کی طرف حاجت ہو تو لازم آئے گا کہ
لہذا خود اپنے محتاج کا محتاج ہو جائے اور یہ حال ہے۔ لہذا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

یعنی اے لوگوں تم سب اللہ کے محتاج ہو اور وہ ہر چیز سے بے ہوا (یعنی اپنی

صوفیاء نے وحدت کا معنی یگانا کیا ہے اور یگانا اور ہے نظیر اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔ کہتے ہیں فلان واحد فی الخلق واحد فی العلم وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی حسین یا عالم محقق ہے ہی نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے برابر کوئی نہیں۔ یہی مطلب وحدۃ الوجود کا ہے کہ خدا اقلی کے وجود کے برابر کسی کا وجود نہیں۔ وجود حقیقی اور کامل ایک ہی ہے دوسرے وجودات اس کے سامنے اس قدر قلیل ہیں کہ ان کو وجود کہا جائے تو کسی درجہ میں وجود ان کا بھی ہے اور یہ مضمون قرآن وحدت کے ذرا خلاف نہیں بلکہ میں مطابق ہے۔

غرض وحدۃ الوجود کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شے کا وجود ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وجود تو ایسا رہا بھی ہے مگر کاحدم ہے جسے ستارے میں وہ موجود تو ہوتے ہیں اس کو الی علم جانتے ہیں مگر کتاب کے سامنے کاحدم ہوتے ہیں۔ نیز اس کی ایسی مشی ہے جسے ایک قصیدہ اور چڑیا پر حکومت کرتا ہے اور اس وقت وہ حاکم معلوم ہوتا ہے مگر ذرا اعظم کے سامنے وہ ہاں بھی نہیں سکتا اس وقت اس کی نعمت کاحدم ہو جاتی ہے۔ نیز ایک ماہر فی قادی کے سامنے ایک طفل کعبہ کو کوئی قادی نہیں کہتا کہ کسی قدر پڑھنا اس نے سیکھا ہی ہو۔

غرض محکم میں ناقص کو کامل کے سامنے لاشی اور کاحدم سمجھا جاتا ہے اور یوں اس کا جانا ہے کہ بس قادی تو لفظ ہے مٹی تو وہ ہے جسین تو یہ ہے اور ناقص نہتے۔ اکیس اس کی لگی کہتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ کامل کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ یہ سنی نہیں کہ فی نفسہ (یعنی اپنی ذات میں) بھی کچھ نہیں۔ یہی مطلب ہے محققین کا وحدۃ الوجود ہے کہ حق تعالیٰ کے وجود کے سامنے کسی کا وجود کچھ نہیں کسی درجہ میں قلیل ذکر نہیں۔ اس نے ان کا قول ہے کہ وحدۃ الوجود تو ایسا ہے کہ ذرا احمد اور کثر ہے۔ ہر مل جب صوفیاء کے نزدیک الوجود میں (اور انہوں نے کہا بھی ایک) (۱) مکر ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ محققین کے قول میں اور ہمد کے ابن عربی سمجھا کہ (۲) ہر چیز خدا ہے کتا لائق ہے وہ تو کسی شے کو موجود کہنے کے قلیل بھی نہیں سمجھتے اور

ذات و صفات میں غیر متجانس ہے اور تخریف کیا گیا ہے۔

اسی لئے وہ جسم نہیں ہے کیونکہ جسم اپنے اجزاء سے مرکب ہوتا ہے اور اس وجہ سے جسم ایک تو اپنے اجزاء کا متجانس ہوتا ہے اور دوسرے اپنے ترکیب دینے والا کا بھی متجانس ہوتا ہے لہذا اگر خدا کے لئے بھی جسم اور بدن ہو تو خدا بھی دوسراں کا متجانس نہ رہے گا۔

اور جب وہ جسم نہیں تو نہ اس کے لئے ممکن ہے اور نہ ہی اس کو کھانے پینے اور دوسرے کو کھا کر چھینا دینے اور ایسے واقعات کی حاجت ہے۔

دوسری تخریب: حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ حمد نہیں ہوتا جیسے گرم پانی سرد میں مل کر حمد اور ایک ہو جاتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ حمد ہوتی ہے یعنی جیسے برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتی ہے۔

اور نہ کوئی چیز اس میں طول کرتی ہے ایک چیز کے دوسری چیز میں ماحبانے اور جست ہو جانے کو طول کہتے ہیں جیسے کپڑے میں سیاہ یا سفید رنگ جست ہو جانا ہے اور نہ وہ کسی شے میں طول کرتا ہے۔

یہاں تک کہ نزدیک خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں طول کر گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک خدا تعالیٰ اشراں اور عین فرمودہ ہر جس میں طول کرتا ہے۔ ساری کا بھی عین وہ تھا کہ چکڑے میں خدا طول کر گیا ہے۔

الی حق صوفیاء صرف وحدت کے قائل ہیں اقل کے قائل نہیں ہیں کہ عالم موجود ہو مگر ذات حق کے ساتھ وجود میں حمد اور ایک ہو۔ اس سے طول کی نفی ہوتی ہے کیونکہ طول میں مل (طول کرنے والا) اور مل (جس میں طول کرنے والا) دونوں موجود ہوتے ہیں مگر اس کے بعد ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جب کہ الی حق حضرت عالم کے وجود کو ذات حق کے وجود کے سامنے کاحدم جانتے ہیں۔ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا طول سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

وحدۃ الوجود کی تحقیق

یہ ظلم ہر جہ کو خدا کئے ہیں خود بخود نہ

وعدۃ الشہود کی یہ جو حقیقت دکر کی جاتی ہے جب تک یہ آدمی کے علم کی حد تک رہے تو صوفیاء اس کو توحید کہتے ہیں اور جب یہ بات کسی شخص کا عمل بن جائے یعنی یہ کہ اس کی مستقل کیفیت یہ بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے آگے دوسروں کے وجود محل معلوم کے سمجھتا ہے تو اس کو قائل کہتے ہیں اور یہی وعدۃ الشہود کا حاصل بھی ہے۔

وعدۃ الشہود کی حقیقت

اس کا ترجمہ ہے مشہور کا ایک ہونا یعنی واقع میں تو جتنی اور موجود مشہور ہے مگر سب کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کا عدم معلوم ہوتے ہیں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس کی ایک مثال کشی ہے

مگر دیوہ باقی کہ در باغ و دریا

تاہو شب کرک چوں چراغ

بکے گفتش آئے کرک شب فردا

چہ بود کہ چوں نیالی ہوا

نہ بچی کہ کسی کرک خاک زانو

بولب از سر روشنی چہ زانو

کہ میں ہوا و شب چراغ صراخیم

دلے چلی غورمید بیخیم

ترجمہ شایہ تم نے دیکھا ہو گا کہ باغ و دیوہ میں ایک کیڑا چراغ کی طرح چمکتا ہے۔

کسی نے اس سے کہا کہ اے رات کو روشن ہونے والے کیڑے تھو کہ کیا ہو گا

تو دن کو باہر میں آگ

جسیں خبر نہیں کہ اس خاک کے کیڑے نے محل مندی سے کیا محو و خراب دیا۔
کہ میں تو دن رات بھل کے سوا کچھ نہیں ہوتا مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہو سکتا

فرض بن لوگوں کی نظر آتلب (در حقیقت) پر ہوتی ہے اس وقت جتنو جینی اشیاء عالم کا وجود ان کو نظر میں آگاہی ہو لوگ دیکھتے ہیں جن کی نظر آتلب (در حقیقت) سے قائل ہے وہ اہل اشیاء عالم کے وجود پر نظر رکھتے ہیں اور جو حقیقت میں کہ مطلب اللہ نہیں ہیں ان کی نظر آتلب (در حقیقت) پر ہونے کے ساتھ تعلق پر بھی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ وعدۃ الشہود اور وعدۃ الشہود میں حقیقت نہیں بلکہ صرف لفظی اختلاف ہے مگر چونکہ وعدۃ الشہود کے معنی غلام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لئے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا۔

قیمری حجازیہ : اس کی ذات اور صفات کو بھی قائل اور غیر نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُلُّ شَيْءٍ أَهْلًا لِّكَ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر شے تھی تو ہلاک ہونے والی ہے لہذا اس کی ذات مع صفات پیش ہوتی رہے گی نیز قَوْلًا وَتَبَعًا وَجْهَ رَبِّكَ فَوَالْبَلَدِ لِلَّهِ الْإِكْرَامُ یعنی اللہ جلیل اکرام والا پیش ہوتی رہے گا۔

چوتھی حجازیہ : کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہے۔ واجب سے حق تعالیٰ کے اختیار کا اہل ہونا لازم آتا ہے وہ کون ہے کہ جو اللہ پر کوئی چیز واجب اور لازم کر سکے۔

مستند کا عقیدہ تھا کہ جو چیز اللہ کے حق میں خیر اور اہل ہے اللہ تعالیٰ پر اس کی رعایت واجب ہے۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں وہ ناک و نیکار ہے اس پر نہ لطف و مہربانی واجب ہے اور نہ قہر و عجز۔ جس کو چاہے برکت

دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔ دہانت سے بڑھ کر کوئی خیر اور اصل صحت مندانہ چیز نہیں مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے پناچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَيَّاكُمْ أَجْمَعِينَ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سب کو دہانت دے دیتا مگر کسی حکمت سے سب کو دہانت نہیں دی۔ معلوم ہوا کہ دہانت دینا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ اور اگر اپنی رحمت سے کسی کو دہانت بھی دے دے تو اس پر ثواب دینا اس کے ذمہ واجب نہیں۔ اگر وہ ثواب دے دے تو اس کا فضل ہے اور اگر ثواب دے تو اس کا عاقل ہے (کیونکہ مالک مطلق کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے)

الہانت کے برعکس معزول ہے بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ فرمایا ہوا کو ثواب دے اور غائبین کو سزا دے اور اپنی حق باتوں کے بدلہ دے۔ اپنے آپ کو اصحاب اصول والہ و الشوحداء (صل و قادیہ کے طلبہ) کہتے تھے معزول کی کوئی عقل کو لہم ہو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے خوب کھولا پہلے یہ معزول کے شاعر تھے معزول کے اسی عقیدے پر ان کو ٹھک ہوئی اور انہوں نے اپنے استاد مشہور معزلی ابو علی جبلی سے سوال کیا کہ تمہیں بھی اس ایک نے اللہ کی فرمایا داری میں وقت پائی۔ دوسرے نے اللہ کی غائبی میں وقت پائی اور تیسرا جبلی ہی میں فوت ہو گیا تو آپ ان کے بارے میں کیا حکم لگاتے ہیں۔ ابو علی جبلی نے جواب دیا کہ پہلے کو ثواب میں جنت ملے گی۔ دوسرے کو سزا میں جہنم کی آگ میں جہنم پڑے گا اور تیسرے کو نہ ثواب ملے گا اور نہ سزا ملے گی۔ اس پر لہم ہو الحسن اشعری نے پھر پوچھا کہ اگر تیسرا بھی اللہ تعالیٰ سے فرما کر کہ آپ نے مجھے جہنم میں کیوں موت دی۔ آپ میری زندگی و راز کرتے میں بلوغت کی عمر کو پہنچا اور آپ پر ایمان لاتا اور آپ کی اطاعت کرتا تو میں بھی جنت میں جاتا تو رب تعالیٰ اس کو کیا جواب دیں گے؟ ابو علی جبلی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو بڑا ہو گا تو ضرور غائبی کرے گا اور اس طرح سے جہنم میں داخل ہو گا تو تیسرے لئے زیادہ

معلوم اور اصل یہی تھا کہ تجھے جہنم میں موت آئی۔ اس پر اشعری رحمہ اللہ نے پھر سوال کیا کہ اگر دوسرا بھی اللہ تعالیٰ سے یوں فرما کر کہ (ایب آپ کو معلوم تھا کہ میں بڑا ہو کر غائبی کروں گا تو) آپ نے مجھے جہنم میں موت کیوں نہ دی تاکہ نہ (میں بڑا ہوتا اور نہ) آپ کی غائبی کرتا اور نہ جہنم میں جاتا تو رب تعالیٰ اس کو کیا جواب دیں گے۔ اس پر ابو علی جبلی مسرت اور ششدر ہو کر رہ گیا اور اس سے کوئی جواب نہ دینا۔ اس واقعہ کے بعد اشعری رحمہ اللہ نے معزول کا ساتھ چھوڑا اور ان کے عقیدہ عقیدوں کے بغیر اور اہل سنت کے عقائد کے ساتھ کثرت میں لگے۔

فرض ہے حق تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس خود اس امر ارا میں نے اپنی رحمت واسعہ سے اہل اعلان کی عزت افزائی کے لئے یہ فرما دیا ہے کہ اہل اعلان کا مجھ پر حق ہے کہ میں ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور ان کو ثواب دوں گا۔

پانچویں حق: اللہ تعالیٰ اس سے خواہ ہیں کہ ان کو دے اور۔

لغت میں دہانتے ہیں بئالہ ای ظہر لہ عالم بظہر یعنی جو بات معلوم نہ تھی اس کے معلوم ہو جانے کو دہانتے ہیں۔ یہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلے اس کے خلاف کاظم قادیان لفظ جہت ہوا۔

۲۔ علامہ ابن عربین جبلی نے رحمہ اللہ فی تحقیق قیاد میں اس کو اختیار کیا ہے اور بڑا کا یہ مطلب نکلا ہے کہ انا ظہر لہ رای مخالف للرای الاول یعنی فلاں کو بڑا ہوا میں اس کو پہلی رائے کے خلاف کوئی دوسری رائے سمجھی۔

۳۔ پہلے سے کچھ علم نہ تھا شریف مرضی نے اپنی کتاب مرضی میں اس کو اختیار کیا ہے۔

قرآن پاک میں بھی بڑا کا لفظ کلی جگہ وارد ہوا ہے اور ہر جگہ کی معنی ہیں کہ ۱۔ معلوم چیز معلوم ہو جانے پناچہ سورہ صافات میں ہے۔

ثُمَّ يَنْفَعُهُمْ رَبُّهُمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ سُلَاطَاتُ الْأَبْيَادِ تَسْبِيحَتُهُ حَتَّىٰ جِبْنٍ يَمْنَىٰ مَعْرَتِ

یوسف کی ہانگ داعی کے دامن دیکھنے کے بعد لوگوں کو یہ بات سبب معلوم ہوئی کہ کچھ دنوں کے لئے ان کو قید کر دیں۔ قید کرنے کی رائے اپنی پیدا ہوئی تو پہلے نہ تھی۔

ہدایہ تین قسمیں ہیں

۱۔ ہدائی اعظم (ہدائی الانوار) یعنی خدا نے پہلے سے کچھ جان رکھا تھا کہ بعد میں حقیقت الامر کچھ اور معلوم ہوئی۔

۲۔ ہدائی الارادہ (ہدائی الہکویہ) یعنی پہلے کچھ ارادہ تھا مگر اس معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں۔

۳۔ ہدائی الامر (ہدائی الشکلیف) یعنی پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازیں اس معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی۔ اس حکم کو بدل کر دوسرا ایسا حکم جس میں وہ نقصان نہ ہو کچھ مصلحت وقت معلوم ہوئی ہو صادر فرمایا۔

ہدائی الامر اور فتح کے درمیان فرق ہے

فتح حقیقت میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک حکم کا وقت پورا ہو جائے اور دوسرے حکم کا وقت آجائے۔ لہذا بھی تو پہلے سے وقت کی مقدار کی اطلاع کر دی جاتی ہے اور بھی نہیں کی جاتی۔ مثلاً یہ حکم تو کیا یہ حکم کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا بلکہ علت باقی رہی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد حرمت کا حکم آیا۔ تو پہلا حکم صرف ایک مدت کے لئے تھا۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو گئی تو شراب کی حرمت کا حکم دیا گیا۔ اگرچہ پہلے حکم کے ساتھ یہ نہیں تھا کہ کیا کہ علت کی بناء صرف اتنے عرصے کے لئے ہے۔ اس کو فتح کہتے ہیں جب کہ ہدائی الامر میں تبدیلی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ سلفہ حکم میں کچھ غلطی تھی۔

ہدایہ تینوں قسمیں ایک دوسرے کو لازم ہیں

ہدائی الامر کے واقع ہونے کی صورت میں ہدائی الارادہ لازم ہے کیونکہ ہدائی

ارادہ تو اسی کو کہتے ہیں کہ کسی نئی مصلحت کے سبب سے پہلے ارادہ کو ترک کر دیں۔ تو جب مصلحت کے لحاظ سے حکم بدل گیا تو پہلا ارادہ جو اس حکم کی پہنچ کا تھا وہ بھی برائے گناہ اور اسی طرح ہدائی الارادہ کو ہدائی اعظم لازم ہے کیونکہ ارادہ تو نئی مصلحت کے معلوم ہونے پر بدل ہے۔ تو جب نئی مصلحت معلوم ہوئی تو لا محالہ یہ بات صحیح ہوئی کہ جو حکم اب حاصل ہوا ہے وہ پہلے نہ تھا اور جو پہلے تھا وہ اب لغو معلوم ہوا اسی کو ہدائی اعظم کہتے ہیں۔

مقیدہ ہدایہ کا نتیجہ

جیسا کہ لوہی کی تحصیل سے واضح ہوا ہدایہ کے مقیدہ کو اللہ تعالیٰ کا جیل اور لازم ہوا لازم ہے۔ اسی وجہ سے بعض شیعہ خود اس مقیدہ کے انکار پر مجبور ہوئے مثلاً مفتی طوسی نے مقیدہ ہدایہ کا انکار کیا اور شیعوں کے مجدد اعظم مولوی روادار علی نے اپنی کتاب اسماں الفضول میں لکھا ہے۔

علم ان الیہ لا ینبغی ان یقول بہ جتنا چاہتے کہ مقیدہ ہدایہ اس لائق فیض حد لانہ ینلزم منه ان ینصف کہ کوئی شخص اس کا قائل ہو کیونکہ اس باری تعالیٰ بالاجہل کمالا سے لازم آتا ہے کہ ہدایہ قطعی جیل ہو جسکی جیسا کہ پانچویں میں ہے۔

مقیدہ ہدایہ کا قرآن کے خلاف ہونا

سورہ میں ہے لَا یُعِیْلُ رَبِّیْ وَلَا یَنْسِیْ (نہ بھٹکا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے)

جب کہ مقیدہ ہدایہ کی ذمہ اللہ تعالیٰ کو چڑک ہو جاتی ہے مگر اللہ

قائلین ہدا کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل

يَسْمَعُوا اللَّهَ مَآ يَشَاءُ وَيُطِيعُوا وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ
اللہ جو چاہے وہاں سے اور جو چاہتا ہے وہی رکھتا ہے

جواب: اس آیت سے ہر آپ استعمال صحیح نہیں ہے۔ سیاق و سباق کے ساتھ
جب ان آیات کو دیکھیں تو بات میں غلطی ہے۔

وَمَا كَانَ لِزُشُولِي أَنْ يَتَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِيُكَلِّمَ أَجْبَلُ كِتَابًا
يَسْمَعُوا اللَّهَ مَآ يَشَاءُ وَيُطِيعُوا وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (سورہ مدہ ۸۹/۳۸)

یعنی کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ امر نہیں کہ ایک آیت (یعنی ایک حکم) بھی بغیر
خدا کے حکم کے (اپنی طرف سے) لائے (بلکہ احکام کا مقرر ہونا ان کا اختیار خداوندی
پر موقوف ہے اور خدا تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے اعتبار سے یہ معمول مقرر ہے کہ)
ہر نذ کے منسوب خاص خاص احکام ہوتے ہیں (پھر دوسرے نذ میں بعض امور میں
دوسرے احکام آتے ہیں اور پہلے احکام موقوف ہو جاتے ہیں اور پھر بعد ازاں جتنی
رہتے ہیں۔ پس) خدا تعالیٰ (ی) جس حکم کو چاہیں موقوف کر دیتے ہیں اور جس حکم کو
چاہیں قائم رکھتے ہیں اور اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) ان ہی کے پاس (رہتی) ہے
(اور یہ سب احکام بلا واسطہ و منقطع و منقطع اس میں درج ہیں وہ سب کی حاجت ہے۔ یعنی
جس طرح سے یہ احکام آتے ہیں وہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے پس احکام سابقہ کے
موافق یا مطابق احکام لانے کی کسی کو مجتہد اور وحسن فیہ نہیں ہو سکتی۔

اور یہ بات بھی مذکورہ بالا کے معنی نہیں کہ ایک تمام الکتاب یعنی ہذا دفتر جو علم
خداوندی کے موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹا بڑھتو نہیں ہو کہ اور
دوسرا ایک جھوٹا دفتر ہوتا ہے اور ایک نذ کے لئے ہوتا ہے اس میں سے کچھ چیزیں
پوری ہو کر مست جاتی ہیں اور کچھ کو آئندہ نذ کے لئے بھی برقرار رکھا جاتا ہے۔

دوسری دلیل

وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشِيرَةٍ

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کو تیس دن میں
توریت دینے کا وعدہ کیا تھا مگر تیس دن میں ان کو توریت نہ ملی بلکہ دس دن اور اضافہ
کر کے چالیس دن میں ان کو توریت دی گئی۔

جواب: اول تو آیت کا ترجمہ دیکھتے تو معلوم ہو گا کہ دس دنوں کا اضافہ بطور تحر
کے ہے۔ عمری نذ کی اصل چار رکعت فرض ہیں۔ اس کے ساتھ سن و نوافل بطور
تحر کے ہیں۔ اسی طرح اور نذرانوں میں بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ
میں بھی یہی احتمال ہے کہ تیس دن تو بطور فرض کے ہوں اور دس دن بطور نفل کے
ہوں۔

دوسرے یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ توریت چالیس دن کے بعد ہی دی گئی ہو
بلکہ اس کا بھی احتمال ہے کہ تیس دن کے بعد توریت ملی گئی ہو اور دس دن کا اضافہ
بطور شرفاء کے کیا گیا ہو۔ اس طرح سے وعدہ کی مدت میں تو کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

انبیاء و رسل سے متعلق عقائد کا بیان

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام حق تعالیٰ کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے تاکہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف جانیں اور گمراہی سے سیدھے راستہ پر لائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف دعوت دیں جو اس کی رضا کا مقام ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرے اس کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جو شخص اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار یا اصرار کرے اس کو دوزخ کی وعید سنائیں۔

شریعت میں نبی کس کو کہتے ہیں

الَّذِي يُنْشِئُ الْإِنْسَانَ بِفَضْلِ اللَّهِ يُنْشِئُهُ مَا أَوْحَى إِلَيْهِ (سارہ بعد سامعہ ص ۲۰۷)

نبی وہ انسان اور بشر ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی تخلیق کے لئے مبعوث فرمایا ہے جو اس کی طرف وحی کی گئیں۔

لفظ نبوت اور رسالت کا مفہوم

نبوت مصدر ہے ہا سے حلق ہے جس کے معنی مقیم اٹھان خبر کے ہیں اور یہی اس سے وہ خاص خبر مراد ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی اپنے خاص برگزیدہ بندہ پر نازل فرماتا ہے تاکہ بندوں کو اس سے واقف اور باخبر کر دے لہذا نبوت کے معنی ان چیزوں اور خبروں کا پہنچانے کے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس برگزیدہ شخص کو پہنچی ہیں۔ اور اس برگزیدہ شخص کو جو خدا کی دی ہوئی خبروں کو بندوں تک

رسالت کے معنی خدا تعالیٰ اور ذاتی محض حقوق کے درمیان سفارت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو سفیر ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق

صحیح یہ ہے کہ رسول کا مرتبہ نبی سے زیادہ گرہے اس لئے کہ اصطلاح میں انبیاء کی تعداد ایک ہاتھ سے بھی زائد تھی ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ آئی ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول خاص ہے اور نبی عام ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے محققین نے نبی اور رسول میں یہ فرق کیا ہے کہ نبی وہ برگزیدہ بندہ ہے کہ جس پر اللہ کی وحی آتی ہو اور وہ ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الہیہ پر مامور ہو خواہ صاحب کتب ہو یا نہ ہو۔

اور انبیاء کرام میں سے جس کو سن پہلے اللہ کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو مثلاً اس کو کوئی کتاب یا کوئی نئی شریعت دی گئی ہو یا حکمران اور کذبین کے مقابلہ کا اس کو حکم دیا گیا ہو یا کسی نئی امت کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا ہو تو اس کو رسول کہتے ہیں۔

تفسیر رسول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت نازل ہوئی ہو اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام باحقوق رسوں تھے جس میں ان پر کوئی کتاب اور شریعت نازل نہیں ہوئی۔ نیز ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور ان کی تعداد ایک سو چار ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول کے لئے یہ شریعت کا ہونا ضروری نہیں۔

نبوت و رسالت محض علیہ الہی ہے اکتسابی نہیں

نبوت و رسالت محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ جس کو چاہتا ہے نعمت نبوت سے

مرفراز کرتا ہے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ (سورہ بقرہ: ۱۲۵) اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے يَزِيدُ اللّٰهُ بَصُطِيقِيْنَ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (سورہ حج: ۲۸) اللہ چاہتا ہے فرشتوں میں بڑھانے والے اور آدمیوں میں

نبوت کوئی انتخابی شے نہیں جو جملہ اور ریاضت سے حاصل ہو یا کسی خاص قابلیت اور استعداد حاصل ہو جیسے کہ نبی ہو جاتا ہے۔

عقیدہ: کسی ایک نبی کو جملہ تمام انبیاء کو جملائے کے حروف ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے کسی ایک نبی پر ایمان نہ لانا تمام انبیاء پر ایمان نہ لانے کے ہم سنی ہے کہ تمام انبیاء کا کلام ایک ہے اور اصول دین سب کے ایک ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (مکھلیا نوح کی قوم نے رسولوں کی)

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ (مکھلیا عاد نے رسولوں کی) كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ (مکھلیا ثمود نے رسولوں کی)

قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود نے اللہ اپنے اپنے نیکو کے رسول کی تکذیب کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں میں ایک رسول کی تکذیب کو تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا اور یہ کہ نوح اور یہ کہ تمام پیغمبروں کی تکذیب کی۔

اسی قاعدے کے تحت یہودی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول میں مانتے اور عیسائی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے یا ان کو تمام انسانوں کے لئے رسول نہیں مانتے یہ بھی کافر ٹھہرتے ہیں۔ یہ نبیوں کا کہ یہ سب ایک ہی منزل کی مختلف راہیں ہیں یا اہل اللہ ہے بلکہ یہ باطل راہیں تو اصل سے ہٹ کر جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔

عقیدہ: انبیاء پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان مستحکم نہیں۔

کوئی شخص خدا تعالیٰ پر تو ایمان لائے لیکن پیغمبروں کو نہ مانے تو خدا تعالیٰ پر اس کا ایمان بھی مقبول اور مستحکم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صاف فرما دیا ہے کہ جو شخص خدا اور اس کے پیغمبروں میں تفریق کرے کہ خدا پر تو ایمان لائے اور اس کی توحید کا قائل ہو مگر رسول کی رسالت کو نہ مانے تو وہ کفار ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُوْنَ اَنْ يُّعَذِّبُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُوْنَ نُوْحِيْنَ يَنْصَحِيْ وَيَنْصَحِيْ وَيَقُولُوْنَ اَنْ يُّتَّخَذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سِيْنًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِينًا

جسے کہہ دو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور وہاں چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق دیکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لائے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور وہاں چاہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک راہ تجویز کریں ایسے لوگ جتنا کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے بہت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

رسول کے کلام سے اللہ کا انکار لازم ہے اس لئے کہ جب خدا تعالیٰ نے رسول کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا اور پھر کسی شخص نے اللہ کے حکم کے بعد رسول کو نہ مانا اور اس کی اطاعت نہ کی تو اللہ کے حکم کو نہ مانا اور اس سے انحراف کیا۔

عقیدہ: انبیاء علیہم السلام نہیں ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام حق تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں۔ احکام خداوندی کے پھیلانے میں ذمہ دار کی حیثیت رکھتے اور نہ کافروں سے ڈر کر قید کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ اَسْوَاطَ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَ وَلَا يُخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ انبیاء اللہ کے پیغمبروں کو (لوگوں تک پر راہ پرانا) پھیلانے ہیں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی اور سے نہیں ڈرتے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا

بَلَقْتُ رَسَاتِنَا

اسے رسول ہو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ کا ایک پیام بھی نہیں پہنچایا۔

عقیدہ: انبیاء عظیم اسلام منصب نبوت سے کبھی لائق معزلی نہیں سمجھتے۔ انبیاء کرام اپنے منصب نبوت سے کبھی معزلی نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ عظیم و عظیم ہے کبھی ایسے شخص کو منصب نبوت پر فائز نہیں فرماتا کہ وہ اتنا جمل کر لائق معزلی ہو۔

عقیدہ: سب سے پہلے ہی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور ان کے نظریہ ارتقاء کا رد۔

تمام انبیاء میں سے سب سے پہلے نبی اور پہلے رسول ہمارے ہر مجرم حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی خاص مدد ان میں پوری اور بالمشافہ سے تمام اور خطاب فرمایا اور سکھو ملائکہ بلا۔

حضرت آدم علیہ السلام ایک عظیم شخص تھے جن سے نسل انسانی پھیلی۔ قرآن پاک میں ان کی تخلیق کا تفصیلی ذکر ہے جس سے چودہ دور کے نظریہ ارتقاء کی نفی ہوتی ہے۔ علاوہ انبیاء ارتقاء کا رد ان کلام میں ہے۔

إِنَّمَا مَثَلُ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (اس عمران ۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال ہے اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی جیسا اس کو مٹی

لہم رازی رحمہ اللہ اپنی تحریک میں سمجھتے ہیں۔

اجمع المفسرون علی ان هذه الآية نزلت عند حضور وقد نجران علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وکان من جملة شبههم ان قالوا یا محمد لما سلمت انه لا اله الا الله ان آدم ما کان له اب ولا ام ولم یلزم ان یكون ابنا لله تعالیٰ فکلنا القول فی عیسیٰ علیہ السلام

مفسرین کا اس پر اعلان ہے کہ یہ آیت مجنون کے وفد کے حضور مٹی لائے علیہ وسلم کے پاس آنے کے وقت نازل ہوئی۔ ان کے شبہات میں سے ایک شبہ یہ تھا کہ انہوں نے ذکر کیا کہ اسے مہربان آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑی وفد تھے تو لازم تھا کہ ان کے وفد اللہ تعالیٰ ہی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا آدم علیہ السلام کے نہ پاپ تھے نہ مل۔ ان کے لئے تو یہ لازم نہ ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہوں تو ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

اسی آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی پاپ نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص قدرت سے پیدا فرمایا تاہم یہ نظریہ ارتقاء کے مطابق ان کے مٹی پاپ کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ حیوان (اندر کی صورت میں ہوں۔

وَنَدَّأَخْلَقُ الْإِنْسَانَ مِنْ طِينٍ ثُمَّ نَعْمَلُ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ عَنَابِ قَوْعَيْنٍ

اور انسان (یعنی آدم علیہ السلام) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس (انسان یعنی آدم) کی نسل کو علاوہ انعام یعنی ایک بے قدر پانی (یعنی لطف)

انسان میں نام حمد کا ہے اور مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا تم جنائی کے لئے ہوتا ہے کہ ان کے بعد ان کی نسل کو

نقطہ سے پیدا کیے مطلب یہ ہے کہ حرم طبعی انعام کی پیدائش اور طرح سے ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش دوسرے طرح سے ہوئی۔ تحریر ارتقاء کے مطابق دونوں کی پیدائش نقطہ سے ہوئی۔

فرض نعرے اڑھمہ اگرچہ فی واقعہ محض ایک قیاس آزمائی ہے لیکن قرآن کے ہاتھ
غلاب ہے۔

عقیدہ: عصمت انبیاء علیہم السلام

تمام انبیاء علیہم السلام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے اور صفیہ و کبریا مکتبہ سے معصوم تھے۔ انبیاء کی صفت اور طہارت اور نزاہت کا اقلہ جزو الہان ہے۔

حضرت کا مطلب ہے۔ خلق مانع عن المعصیۃ غیر ملجئ ای بل
یقین مع الاختیار

(صحت ایسا فعل اور وصف ہے جو بغیر مجبور کے مصیبت سے روکتے ہیں یعنی اس وصف کے ساتھ اختیار ہی رہتا ہے)

لهم اي منصور مازدي رحم الله فرجات بين العصمة لانتزيل المحنة اي
الابتلاء المقتضى لبقاء الاختيار

(محنت سے لفظ اور آرائش (اکل نہیں ہو جاتی لہذا اختیار پاتی رہتا ہے)

صائب دہا یہ کہتے ہیں کہ لام ابو منصور ہانڈی کی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عصمت کی وجہ سے نبی اطاعت کرنے پر مجبور اور معصیت کرنے سے عاجز نہیں ہو جاتا، بلکہ عصمت اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی معینگی ہوتی ہے جو نبی کو بھٹے میں مل جائے۔ اجماعی ہے کہ نور برے عمل سے روکتا ہے اور عصمت کا یہ عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جب نبی کا اختیار باقی ہو۔ (سلسلہ شرح مسابہ ص ۴۵۵)

اس لطف و مہربانی اور خلقِ مانع کی کیا صورت ہے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص کو کسی سے واقعی انتہائی محبت و عقیدت ہو تو وہ اپنے محبوب کی مخالفت سے

پتا ہے بلکہ اس کی خلافت کے تصور ہی سے کھپتا ہے۔ اس عاشق اور حب سے خلافت کا اختیار سلب نہیں ہو گیا لیکن محبت کی وجہ سے اس میں مینا و صف پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار کا سوا خلافت میں استعمال کرتا ہے خلافت میں نہیں۔

اسی طرح انبیاء عظیم السلام میں اللہ تعالیٰ نے وصف صحت پیدا فرمایا جس کے سبب بھی انجام و کمال ان میں موجود ہوتے ہیں لیکن کمال معرفت الہیہ اور کمال محبت توحیدی اور ان کا کمال قبولہ ہوتا ہے۔ وصف اور خلق ان کو خیر کے اختیار کرنے پر مجبور ہے اور ہرگز کمالوں سے روکا ہے۔

عصمتِ انبیاء کی تائید میں یہ آیات دلیل ہیں

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

آپ کہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری بیوی کو اللہ تم سے محبت

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہریت میں مطلق قرآنی کو کہا گیا ہے کسی خاص محلہ میں قرآنی کو متقیہ نہیں کیا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل فروعی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْغَبُ فِي اللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَمْ يَكُن لِّكَ فِيهِ مَكْرَهُهُ لَئِيَّا تَتَّقُوا اللَّهَ وَأَتُوا الْبِرَّ فَتَرْحَمُوا

اس آیت کے مطابق تمام زندگی گونہ ہوئی۔ لہذا آپ ہر عمل میں معصوم رہے کیونکہ اگر کسی ایک بات میں بھی آپ کو معصومیت حاصل نہ ہوتی تو مومنین اس سے مطمئن نہ رہا ہوتا۔

[illegible]

وَعَدَالَهُمُ الْغَيْبُ فَلَا يَنْظُرُهُمْ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ
(سورہ جن: ۲۶)

غیب کا جاننے والا وہی ہے سورہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہی مگر اپنے
کسی برگزیدہ و پیغمبر کو

اس آیت میں فعل امر یعنی کسی شے کے بغیر مطلق رکھا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا
کہ اعلیٰ لا یشوق و علوت کے باعث یا اس امر میں اور اس امر میں غن لیا ہے جس کا
مطلب یہ ہے کہ رسول کے تمام ہی امور اور علوت و اعلیٰ اللہ کے نزدیک پسندیدہ
ہوں اور ہر طرح سے مستحضر اور کھتر سے پاک ہوں۔

عصمت انبیاء کے عقیدے پر اعتراض اور اس کا جواب

قرآن پاک میں بعض آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عصمت انبیاء کا
عقیدہ درست نہیں ہے مثلاً

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ میں سورہ طہ میں ہے وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ
فَغَوَى

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں سورہ الانبیاء میں ہے بَلْ فَعَلَهُ
كَيْدُ بَعْضِهِمْ هَذَا فَوَاسْتَوْعِمُوا بِنَاصِيَتِهِمْ

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں سورہ الشرحہ میں ہے قَالَ
فَعَلْنَاهَا اِنَّا وَاَنَّا مِنَ الصَّادِقِينَ ثُمَّ وَهَبْنَاهُ عَلَيْنَا ذَلِكُمْ فَانْقَضَ اَمْرُ
يَعْقُلُونَ

جواب

یہ واقعات گنہ گار نہیں ہیں بلکہ یا تو سرے سے ان میں کچھ غیب ہی نہیں ہے

یا صرف بھول چوک کے ہیں یا غلط فہمی کے ہیں جو بد سے بد سے عقل متدین کو بھی
پیش آتی ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اس سے جدا نہیں ہے کسی خلاف مرضی
کلم کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو خلاف مرضی سمجھ جائیں اور اس وجہ سے ظاہر
خلاف مرضی کلم ہو جائے تو ہو جائے لیکن اس کو گنہ گار نہیں کہتے۔ گنہ گار کے لئے یہ
ضروری ہے کہ جان بوجھ کر مخالفت کی جائے چنانچہ بھول چوک کو معذور کہتے ہیں گنہ
نہیں کہتے۔

پہلی مثال

قصہ یہ تھا کہ شیطان انکار مجدد کے جرم میں عیون و حدود ہو چکا تھا چونکہ یہ زلم
اس کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے پانچا تھا اس لئے ان کا پہلی دشمن ہو گیا تھا جب اس
نے دیکھا کہ میں تو جن عیون کا اور ان کا جن اعزاز ہوا ہے اب اس فکر میں لگا کر
کسی طرح آدم کو مع ان کی بدی کے اس عیون و حضرت سے جدا کرنا چاہتے چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بھی اس کی بدولت و فکر آزاد رہائی سے سنبھال کر دیا تھا
فرض یہ آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور ان کو جس طرح ہو سکا بھلا شروع کیا کہ
اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے حیات الہی حاصل
ہوتی ہے یا توئی فرشتہ بن جاتا ہے۔

فَقَسْنَا بِآدَمَ اِنْ هَذَا عَلْوُكَ وَ اِنْ زَوْجُكَ فَلَا يَنْبَغُ حَتَّكَمَا مِنْ
الْجَنَّةِ فَتَشْفَى (طہ: ۷۷)

پھر کہا ہم نے اسے آدم یہ دشمن ہے تمہارا اور تجھی بدی کا سوا لکھتا دے تم
کو جنت سے ہرگز نہ جانے تکلیف میں

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ اَمْلَكُ عَلٰى شَجَرَةِ الْغَيْدِ
وَمَلَكَ لَا يَمْلِكُ (طہ: ۸۰)

پھر دوسرا والا اس کی طرف شیطان نے کہا اسے تو تم کیا میں بتاؤں تم کو

سدا زعمہ رہے گا درست اور ایسی پڑھیں جو پڑھتی نہ ہو۔
 قَالَ مَا تَلْمِظُوا لَهُمْ رَنُّكُمْ عَنْ هَلِيلِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا مَلَكِينَ
 أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَفَا سَهْمَا إِيَّاهُ لَكُمَا الْيَمَنُ النَّصِيبَيْنِ
 (عرف: ۸۱)

شیطان نے کہا تم کو میں دو کا سہارے دے رہا ہوں اس درست سے تمہاری
 لئے کہ کہیں تم جو جوتہ فرشتے یا جو جوتہ جوتہ رہنے والے اور ان کے آگے
 قدم کھینک کر میں اللہ تعالیٰ کے خلاف نہ ہو۔

مگر جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا اس وقت تمہاری حالت کے مناسب
 یہ تھا کہ فرشتہ ہونے یا جوتہ کے اسباب کا ارتکاب نہ کیا جاسکے اس وقت تمہاری
 استعداد ضعیف تھی (جیسا کہ ضعیف المعاد کو خدا کے قوی سے مخالفت ہوا کرتی ہے)
 اور اب تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے اس حالت کے لئے مخالفت بھی نہیں ہے
 کیونکہ جب ملت نہیں رہتی معلوم بھی نہیں رہا کرتا (جیسے ضعف معده رخ ہونے کے
 بعد بخار و سہابت مخالفت پاتی نہیں رہتی) اور اس ضمن میں کہ تمہیں کہا گیا۔

چونکہ تمہیں بڑی نصیحت تھی اور اللہ کی نصیحتیں کہا گیا جس کا ہم سن کر محبت
 والے تو عمل ہی جانتے ہیں اور وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ کوئی اس طرح خدا کے
 پیام کی بے مروتی نہیں کیا سکتا ہے۔ پھر شیطان نے لالچ بھی دیا تو حیات دائمی کا اور فرشتہ
 ہونے کا اور نور علی نور کا صدق ہوا اور پھر نصیحت ہے کہ اس کو پہچاننا بھی نہ ہو کسی
 نئی فعل میں ملنا۔ فرض حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں یہ بات چلتی تھی اور
 انہوں نے اپنے لالچ سے اس بات کو قرن قیاس اور حساب حل سمجھا کہ اس وقت
 درست سے کھانا منع نہیں ہے اور کہا گیا یہ حقیقت ہے لغزش میں آ جانے کی پہلی
 مختلف مرضی کا کہ کھانا جس سے موافق مرضی سمجھا گیا۔

اگر کسی کو ظاہر ہو کہ یہ خطا تمہیں واقع ہو رہی ہے اس قدر وارادہ گیر کے عمل
 نہیں۔

جواب یہ ہے کہ اگر شخص بلند درجہ رکھتا ہو اور بہت کچھ دانا ہو اس پر اپنے
 عروج سے کٹر کوئی کام کرنے پر غامت کی جاتی ہے اگرچہ وہ کام ہی نفسہ خوبی والا ہو۔
 اسی وجہ سے کہا گیا ہے حسنات الابراہیمات المقربین یعنی وہ کام جو عالم
 نیکو کاروں کے حق میں خوبی اور نیکی شمار ہوتا ہے۔ بنا وقت مقرب اور بلند درجہ
 دلوں کے حق میں خطا سمجھا جاتا ہے اور حاصل اس کا یہ ہوتا ہے کہ تم نے زیادہ غور
 سے کام نہیں کیا۔

جب قصہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں یہ ارشاد فرماتا وَعَصَىٰ آدَمَ رَبَّهُ
 فَغَوَىٰ (اور کرم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غفلت میں پڑ گئے یعنی غلطی
 قصور کی تعمیل کے بارے میں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ غلطی یا لغزش میں غلط اور چوک ہو جانے سے وہ فعلی
 میں جلا ہو گئے اور ان سے قصور ہو گیا۔ اس کو غافل سمجھنا جو غس کی سرکشی اور
 بے رغبت سے ہوتی ہے یا غس کی شرارت سے ہوتی ہے بہت بڑی غلطی ہے۔ غرض یہ
 کہہ نہیں سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت ہی کی تعمیل کی کوشش میں غلط اور
 چوک تھی۔

دوسری مثل۔

بَلْ لَعَلَّكُمْ يَكْفُرُونَ

ایک مرتبہ جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری قوم پادشہ کاہن اور مذہبی
 و جڑا میلہ میں مصروف تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آ گیا ہے کہ
 میں مشہور کی صورت میں لوگوں پر واضح کر دوں کہ ان کے دلوں کی حقیقت کیا
 ہے؟ وہ انہیں اور مندر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں ان کے سامنے کھانے کی چیزوں کے
 چڑھائے رکھے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں لہو میں پکے پکے ان چیزوں سے
 لطف کر کے کہا کہ یہ سب کچھ مسجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے
 میں بات کر رہا ہوں کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے اور پھر ان سب کو توڑ پھوڑ

اور سب سے بدست کو چھوڑ کر وہیں چلے آئے۔

فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهِمْ لَقَالُوا تَأْكُلُونَا مَالَكُمْ لَا تَبْطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا يَأْتِيهِمْ ۝ (سورہ صافات ۳۳-۳۴)

پہنچے سے جاگساں کے ہوں میں اور کہا (ایراہم نے ان ہوں سے) کیوں میں کھاتے ہو؟ تم کو کیا ہو کیا کیوں میں ہوتے؟ پھر اپنے دہانے ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالا۔

فَجَعَلَهُمْ جُفَاءً إِلَّا كَثِيرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ (سورہ انبیاء ۵۸)
پہنچ کر وہاں کو ٹکڑے ٹکڑے ٹکڑے ٹکڑے میں سے بدست کو چھوڑ دیا تاکہ (اپنے عقیدہ کے مطابق) وہ اس کی طرف رجوع کریں (کہ یہ کیا ہو گیا)۔

جب لوگ پہلے سے وہاں آئے تو مدد میں ہوں کا یہ حال ملا۔ سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟ ان میں وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ایراہم علیہ السلام یہ اعلان کر چکے تھے تَالِئِهِ لَا يَكُونَنَّ أَصْنًا مَعَكُمْ شَيْءٌ میں تمہارے ہوں کے ساتھ خفیہ چالی چلوں گا انہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ایراہم ہے۔

قَالُوا مَنْ قَعْلٌ هَذَا يَا لَيْثِيَّةَ الْغُلَظِيَّةِ ۝ قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ (سورہ انبیاء ۷۳-۷۴)

وہ کہنے لگے یہ سولہ ہزارے خداؤں کے ساتھ کس نے کیا بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے (ان میں سے بعض) کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان ہوں کا (بڑی کے ساتھ) ذکر سنا ہے اس کو ایراہم کہا جاتا ہے (یعنی یہ اس کا نام ہے)۔

انہوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غصہ کیا ہوئے اور کہنے لگے اس کو جمع کے سامنے پکڑ کر لے تاکہ سب دیکھیں کہ ہم کون کون ہیں۔

قَالُوا قَاتِلُوهُ عَنَّا آغِيثِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْفَعُونَ ۝ قَالُوا أَفَأَنْتَ قَعْلَتْ هَذَا يَا لَيْثِيَّةَ الْغُلَظِيَّةِ ۝ (سورہ انبیاء ۷۴-۷۵)

انہوں نے کہا اس کو لوگوں کے سامنے لے کر دیکھیں۔ کہا اسے ایراہم کیا تو نے ہمارے دین ہوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ حضرت ایراہم علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ یہ اس کا تو قوم کے باطل عقیدے پر کاری ضرب لگانے کا موقع ہے ان جواب دیا۔
بَلَىٰ لَعَلَّهُمْ يَكْفُرُونَ هَذَا قَسَمُوا لَكُمْ أَنْ كَانُوا يَبْطِقُونَ (سورہ انبیاء ۷۵)
بلکہ ان کے اس بدست سے یہ کیا ہے بلکہ اگر یہ ہوتے ہوں تو ان سے دریافت کروں۔

یہی وہ مقام ہے جس کو معترضین بطور اعتراض پیش کرتے ہیں کہ حضرت ایراہم علیہ السلام نے لٹا جانے کی تو ان کو عصمت کمال حاصل رہی۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی ہمتی ہے۔

سوال سے فرض تعبیریں حتیٰ کیونکہ وہ یہ چنا چاہتے تھے کہ ہوں کو کس نے توڑا اور اسی کے لئے انہوں نے حضرت ایراہم علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تم نے ہوں کو توڑا ہے؟ حضرت ایراہم علیہ السلام نے توڑنے والے کی تعبیریں کر دی۔ لیکن اب یہ اعتراض باقی رہا کہ فی الواقع بدست سے تو ان کو نہیں توڑا تھا پھر حضرت ایراہم علیہ السلام نے ایسا جواب کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے

وَقَاتِلْهُمْ فَيَغْلِبْ أَقْرَبُوا وَلَكِنْ الْمُلَّةَ فِئْتَىٰ (سورہ بقرہ ۱۷۱)

جنگی تو آپ نے میں جنگی بلکہ اللہ نے جنگی (سورہ بقرہ ۱۷۱)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معنی ہجرت جنگی اور قرآن نے لا ریت کہ کہ اس کا ثبوت بھی کیا جین ہجرت دیت کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھیننے کی نسبت کی نفی کی اور وہی اللہ دی کہ کہ چھیننے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھیننے کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی طرف چھیننے کی نسبت کہ تاہم حقیقی کے اعتبار سے یہ بین بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی ہیں چہ کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اس لئے تاہم حقیقی کے اعتبار

سے اصل پہنچنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

نور یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبود حقیقی وہی ذات ہو سکتی ہے جو قدرت کاملہ رکھتی ہو اور موثر حقیقی ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا
أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ (سورہ انبیاء: ۲۱)

تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کر سکتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم چونکہ ان جہاں کو عبود حقیقی اور قادر مطلق سمجھتی تھی تو ان کے عقیدے کے اعتبار سے ہر باب دبا بل فعلہ کبیرہم ہذا یعنی (ہاں میں نے ان کو توڑا ہے لیکن جب تم ان کو عبود حقیقی اور موثر حقیقی اور قادر مطلق سمجھتے ہو تو ان کی قدرت اور تاثیر حقیقی کے اعتبار سے یہ کتنا عجیب ہو گا کہ) بلکہ اس بڑے بت نے ان کو توڑا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کام میں کچھ عیب نہیں ان کے لباس صحت پر وجہ بن سکے۔

تیسرا باب

معجزات یا دلائل نبوت

مجزرہ کا لفظ از روئے لغت مجرے مشتق ہے جو قدرت کی ضد ہے۔ حرف بازا تو اس میں مبالغہ کے لئے ہے اور یا لفظ مجزہ آیتہ (شکلی) کی صفت ہے اور اس کا موصوف مصروف ہے۔

اس کو مجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ خلق اس کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ امر خارق للعادة کو مجزہ کہنا بطور مجاز ہے۔ درحقیقت مجزہ (عاجز کرنے والا) وہ فعل نہیں ہوتا جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے بلکہ اللہ کی ذات اس فعل کے ادریچہ سے کشفیں و مگرین کو عاجز کرنے والی ہے۔

تعریف مجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے ظہور کی تحدید کے لئے صادر ہو۔

قرآن پاک میں اس کی جگہ آیت اور یہاں کے الفاظ اور حدیث میں علامات و دلائل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ علم عقائد والوں کے نزدیک لفظ مجزہ بطور اصطلاح رائج ہے۔

قرآن پاک کی چند آیات جن میں معجزات کو آیات اور یہاں کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے

۱۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا تَبَوَّءُوا لَهَا آلًا ۚ هَٰذَا إِلَّا يَمُنُّوۥ (سورہ هُود: ۳۶) پس جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کئی نشانوں کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا یہ میں ہے مگر گمراہ ہوا چاند
۲۔ فَرَعَوۡنَ لَمَّا عَلِمَ أَنَّ مَوْسٰی عَلٰی سَلَمَہٗ (سورہ اعراف: ۱۰۸) فرعون نے جب معلوم کیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کد

إِنْ كُنْتُمْ حَسِبْتُمْ بِأَنِّي قَائِلٌ بِمَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ (سورہ اعراف : ۸۶)
 اگر تو کیا ہے کوئی نکلی لے کر تو اس کو لا کر تو چاہے
 سو کفار کیسے تھے

قُلْنَا إِنَّا بَارِئُونَ مِمَّا أُرْسِلَ الْأَنْفُسُ مِنْ جَانِبِهِمْ كَمَا أُرْسِلَ
 انہوں نے اس کوئی نکلی جسے کہ پہلے رسول بھیجے گئے۔
 سو حضرت صالح علیہ السلام کا قول نقل کیا :
 يَا قَوْمِ هَذِهِ نَارُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ (سورہ صود : ۲۴) اے میری قوم یہ لوٹنی ہے
 اللہ کی صلابت کے نشانی

اسلامی فرقوں میں سے صرف بعض اشاعہ کے نزدیک کوئی شے کسی کی علت
 (Cause) نہیں ہوتی اور نہ ہی اشیاء میں خواص و ناخیر ہے۔ اور بعض اشاعہ کے
 علاوہ باقی تمام فرقہ اس بات کے معترف ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ علت
 معلول (Cause And Effect) سبب سبب شرط مشروط اور اثر موثر کے سلسلہ
 کے بغیر نہیں ہوتا (اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ایسا مقرر کرنے اور انکار کرنے سے ہوا
 ہے) اسی سلسلہ نظام کا نام قدرت مسندہ اللہ اور خلقی اللہ ہے اور قرآن پاک کی
 ان آیتوں میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَسْبِيحُ لِلَّذِينَ يُخَلِّقُ اللَّهُ (اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے)
 وَلَنْ يَجْعَلَ لَسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (اللہ کی سنت میں کچھ تبدیلی نہ پائے گا)
 اللہ تعالیٰ قدرت کی نوعیت و راسخ قانون علت کی ہے۔ اور اسی قانون علت
 کو علامہ اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی بناء پر عمل قدرت میں یکسانی نظر آتی ہے۔ اور
 ان قوانین کا اختراع میرے علم و اختیار (Matter) کا اثر و وجہ و لازم
 سے نہیں ہے بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی علت جاریہ سے ہے جو
 کسی حکمت و مشیت کے تحت بھی کسی اس علت جاریہ کے خلاف اور اپنی خاص
 علت کے مطابق بھی کر سکتی ہے۔

اور وہ ہے کہ علت اللہ کی وہ نہیں ہیں۔
 نہ علت مسموہہ (یعنی عام علت جو جاری نظر آتی ہے) نہ علت مسموہہ
 (خاص خاص وقت کی علت)

علت کی یہ دونوں ہی قسمیں ہمیں نوع انسانی کے افراد میں بھی ملتی ہیں مثلاً ایک
 شخص کو کم دیکھتے ہیں کہ بڑا نرم خو عظیم الطبع اور بردبار ہے۔ ہزار گلیاں سننے اور
 اشتعال دلائے یہ بھی اسے ضرر نہیں آتا لیکن اس کے باوجود یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ
 جب بھی مذہب پر حملہ ہو یا اس کے سامنے خطر طبعی اسلام کی توہین کی جائے تو اس
 وقت ضرر سے بے تک ہو کر اپنے سے باہر ہو جاتا ہے تو توہین کے وقت اس کی یہ
 سخت گیری اور وہ فتنی اگرچہ اس کی عام علت کے خلاف ہے لیکن وہ جانے خود اس کی
 ایک خاص اور مستقل علت ہے جس کے تجزیہ کا موقع کچھ بعد اس کے اسباب مینا
 ہونے پر ملتا رہتا ہے۔

اب جس چیز کو سمجھو کہتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام
 علت کے کو خلاف ہے مگر علت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا
 ہے کیونکہ خاص لوقت میں مخصوص مصلح کی بناء پر عام علت کو چھوڑ کر خوارق و
 کجرات کو ظاہر کرتا ہے بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص علت ہے اور جیسا کہ علت مسموہہ
 عامہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے افعال کے یکساں اسباب ہوتے ہیں اسی طرح علت خاصہ کے
 تحت صادر ہونے والے افعال یعنی کجرات کے بھی اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ فعلی اور
 غیر معمولی ہوتے ہیں جن کا اور اک انسانی علت سے پہر ہوتا ہے۔

قدرت اور علت کے درمیان فرق

ایک کام کی قدرت (یعنی کر سکتا) اور ایک اس کی علت (یعنی کرتے رہتا) یہ
 دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہر انسان اپنے تئیں عموماً کرتا ہے کہ خود وہ فوٹ
 لپس، سواری اور معاشرت کے حلقہ میں اور اس کی علت میں داخل ہیں وہ ان کے

خلاف ہے بھی قادر ہے گویا اس کی ولایت میں داخل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ خدا کی سبقت اور اس کی قدرت کے قائل ہیں ان کو بلا یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ خدا کی قدرت ارادہ اور ولایت یہ تینوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز و جدا ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ سب کر والے اور جو کر والے اس کو قادر اور عجز کرنا ہے۔

ہم قادر مطلق کی یہ ولایت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ اپنے کو رحم بخور سے نکلے ہے اور پھر بدو رنج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرا آگیا ہو یا زمین سے اگ آیا ہو۔ مگر اس کے پلچرو ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی ولایت صحتاً کے خلاف رحم اور فضل کے قوط کے بغیر انسان کو پیدا کرنا خدا کی قدرت میں شامل ہے۔ ”خبر اے انجیل میں جب انسان پیدا کیا گیا تو بیٹا اس کی کیفیت اس حد تک طریقہ پیدا کس سے بالکل مختلف تھی اور تمام اقوام و مل کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر ارادہ الہی و مائل اور موجود قانون حاصل کے جو جن میں حمل خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے پیدا ہو گئے۔

قادر مذہب یہ تسلیم کرتا ہے قضا حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا بیکار نہ کرے کہ خواہ کسی ہی عسک اور مصلحت کا غضا ہو مگر وہ ایک منہ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے ملے ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے مجبور اور عاجز ٹھہرے۔

مجبور کا دلیل ثبوت ہوتا

عام انسانوں کی طبیعت ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی غرض غیر معمولی دعوتی کرتا ہے تو وہ اس سے دلیل کے طلب گار ہوتے ہیں اور اس سے بچ کر کیا دعوتی ہو گا کہ ایک شخص یہ کہے کہ وہ لوگوں کی طرف خدا کا فرستادہ ہے چونکہ یہ دعوتی بہت بڑا

اور بہت غیر معمولی (Extra-Ordinary) ہے اس لئے اس کی دلیل اور ثبوتی بھی غیر معمولی (Extra-Ordinary) ہونی چاہئے۔ اور اگرچہ وہ لوگ جو عقلی فہم اور تسلیم بالحق ہوتے ہیں ان کے لئے اصل دلیل تو یہی کی ذات و صفت اور اس کی تسلیم ہوتی ہے لیکن عام لوگ جو ظاہری اور فہمی شکوک سے متاثر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی تشبیہ نہیں چھوڑتے اور ضرورت و مصلحت کے مطابق اپنے انبیاء کو ایسی شکایاں عطا فرماتے ہیں۔ جن کو دیکھنے سے دوسرے تمام انسان عاجز ہوں تاکہ کوئی شخص انبیاء عظیم السلام سے معارضہ نہ کر سکے کہ ایسا تو اور لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت صلح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تو وہ کہنے لگے کہ

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأَمِيتَ يَا بَنِي إِدْرِي كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (سورہ شعراء: ۲۴)

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم سولے آچھو شکلی اگر تو سچا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت صلح علیہ السلام نے فرمایا يَا قَوْمِ هَؤُلَاءِ نَفَاذُ الْعَمَلِ لَكُمْ آيَةٌ (سورہ ہود: ۳۳) اسے میری قوم یہ نوحی ہے اللہ کی تمہارے لئے ثبوتی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی تو وہ بولا اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأَمِيتَ بَنِي إِدْرِي كُنْتُمْ مِنَ الصَّادِقِينَ (سورہ اعراف: ۱۰۶) اگر تو آگیا ہے کوئی ثبوتی لے کر تو لا اگر تو سچا ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا دیا فَأَلْقَى عَصَاهُ فَوَقَّاعًا يَمْشِي عَلَى الْغُلِيِّينَ (اعراف: ۱۰۷) تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہو گیا اڑوٹھا صریح

لیکن جو لوگ حق اور اس کی ثبوتی کو دیکھنے اور چاہنے کے پلچرو مستند پر آمادہ نہ ہوں اور محض کس جتنی کے طور پر ہم قسم کے مطالبے کرتے ہوں تو مصلحت و عسک کے خلاف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے پر رے نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ مجبور اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی نئی یا دلی کے ہاتھ پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ جب اللہ چاہے جن ان کو ظاہر فرماتے ہیں یہی یا دلی کا تقدیر

اس مشین کوئی کے ہارے میں مرزا قادیانی کے الفاظ یہ تھے۔

"آج رات جو مجھ پر کھاروا ہے کہ جب میں نے بہت نصیحت اور اجتناب سے جواب بھی دیا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم ملازم بندے ہیں تجھے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا کہ اس بحث میں وہ لوگ فریقوں میں سے جو فریق مراجمت کو اختیار کر رہا ہے اور ملازم انسان (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دونوں مہلک کے لحاظ سے یقیناً فی دن ایک مینہ لے کر یقیناً چرہ چارہ تک ہادیہ میں گرا جائے گا اور اس کو سخت دلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی بھولی نقل یقیناً وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مجتہد ہے وہ چرہ چارہ کے عرصہ میں توح کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہادیہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے افسانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ وہ سیاہ کیا جاوے میرے گالے میں رسد ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں۔ اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور وہ ایسا ہی کرے گا ضرور کرے گا ضرور کرے گا زمین و آسمان ہی جائیں ہر اس کی باتیں نہ ٹھیں گی۔" (حوالہ دیکھیں قادیانی جلد دوم ص ۱۳۳)

نتیجہ

یہ آخر جس کے سوا میں ہلک ہوئے کی پیش گوئی کی تھی وہ ایک ضعیف الضعفاء عنصر قادیانی ہر چند کہ اس دنیوی و دنیوی طورہ عنصر کی موت کے تمام قرائن موجود تھے لیکن خدا نے فیروز کو قادیانی مشنری کی رسوائی مقرر تھی اس لئے ہمارے ہمارے واکٹروں کی بھی رائے تھی کہ وہ چہ بے لایہ زوالہ چاہتے ہو گئے گا آخر اعلیٰ میں مل تک زندہ رہے۔

نوٹ

۱۔ جو عرق عدوت ہی سے دعویٰ نبوت کے بعد ظاہر ہو اس کو مجتہد کہتے ہیں اور جو نبوت سے پہلے ظاہر ہو اس کو ابھاس کہتے ہیں۔

۲۔ جو عرق عدوت کسی دلی سے ظاہر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ دلی کی کرامت اس کی یا ظاہر ظہر ہوتی ہے جس کی امت میں سے وہ دلی ہوتا ہے کیونکہ یہ خود اس کی امت و عدوت پر دلی ہے۔

۳۔ حضرت مریم علیہا السلام جو کہ نبی نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صادقہ تھیں۔ بطور کرامت بہ موسم رزق کا ان کے پاس آقا قرآن کریم میں ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عَلَيْهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

حضرت زکریا جب بھی محراب میں مریم کے پاس جاتے تو ان کے پاس عجیب و غریب کھانے کی چیزیں رکھی ہوتی دیکھتے تو پہنچتے اسے مریم یہ رزق تجھے پاس کمال سے آیا وہ تمہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا ہے فلک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے رزق دیتے ہیں۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اور صاحب و شیرینی صلیب بن برٹیا کا جو کہ نبی نہ تھے بلکہ چمکے سے پہلے تجلی کے تخت کو لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا قرآن کریم میں مذکور ہے۔

قَالَ أَيُّنَ عِنْدَهُ عَلِيمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَمْ أَيْنِكَ بِهِ قِيلَ أَنْ يَنْزِلَ إِلَيْكَ عَرْشُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِيمًا وَعِنْدَهُ قَالِ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَ أَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ

کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت کو تپ کی ایک بجھنے سے پہلے آپ کے پاس لا کر رکھ دوں گا چنانچہ وہ نے کیا ہی سلیمان علیہ السلام نے جب اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھ لیا تو یہ فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جس سے

مقصود میری آرائش ہے کہ اس کا شکر کرتا ہوں یا بختری کرتا ہوں۔
(۳) اصحاب کف کا قصہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ صدہا سال کہ نہیں
بدلتے رہے یہ اصحاب کف کی کرامت تھی۔
وہ فرق ملت جو کسی کافر کے ہاتھ سے ظاہر ہو اس کو استہراج کہتے ہیں

چوتھا باب

انبیاء علیہم السلام میں حضرت محمد ﷺ کے امتیازات
حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں

عقیدہ

تمام انبیاء میں سب سے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وسلم ہیں۔ آپ کا دین اور آپ کی شریعت تمام گزشتہ دینوں اور شریعتوں کی مبرا ہے
اور آپ کی کتاب یعنی قرآن پاک آخری کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کو مکمل کر دیا اب حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی
نہیں رہی۔

حضرت محمد ﷺ پر ختم نبوت کے دلائل

۱۔ قرآن پاک میں ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رَّبِّهِ الْيَوْمَ وَلَكِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ وَتَحَاتُّمَ
النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (سورہ احزاب: ۴۰)

ترجمہ۔ محمد صمدائے مودت میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول
ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ آخری
نبی ہیں۔ آپ کے بعد کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام حافظ ابن
کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے اول میں اپنی تحریر میں لکھتے ہیں۔

فهذه الآية نص في انه لا نبي بعده واما كان لا نبي بعده فلا رسول
بالطريق الاولى۔۔۔۔۔ وبذلك وردت الاحاديث المتواترة عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدیث جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم (تفسیر ابن کثیر ص ۳۳ ج ۳)

۴۔ تہ اس مسئلہ میں نفس اور مرتب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بی نہیں۔ اور جب آپ کے بعد کوئی بی نہیں تو رسول بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا اور اس مسئلہ پر کہ آپ کے بعد کوئی بی و رسول نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حوازی احادیث وارد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔
لہم قرئیں رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

قال ابن عطیۃ هذه الالفاظ عند جماعۃ علماء الامۃ خلفا وعلما متلفا علی العموم الشام مقتضیۃ نصا انہ لا نبی بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ قائم النبیین کے یہ الفاظ تمام قدیم و جدید علماء امت کے نزدیک کمال محرم پر ہیں جو نفس قطعی کے ساتھ عقلاً کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی بی نہیں۔
محمد اسلم لہم قرئیں رحمہ اللہ "لا نقول" میں فرماتے ہیں۔

ان الامۃ فہمت بالاجماع من هذا اللفظ ومن قرأتہ احوالہ انہ افہم عدم نبی بعدہ ابدا۔۔۔۔۔ وانہ لیس فیہ تاویل ولا تخصیص فممنکر ہذا لا یکن الامتناع الاجماع (تفسیر الامتداد ص ۴۳)

یہ شک امت نے بلااعتبار اس فقہ (قائم النبیین) سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا معلوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بی (اور رسول) نہ ہو گا۔ اور اس پر اصرار ہے کہ اس فقہ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔ پس اس کا منکر چیلنا اجماع امت کا منکر ہے۔

محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوازی احادیث میں (وہ احادیث جن کو روایت کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کے بھوت پر متحقق ہونے یا سب کے کسی

لفظ حق میں جملہ ہونے کا اہل بقی نہ رہے۔ یہ احادیث یقین کا قاعدہ ہیں) اپنے قائم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور ختم نبوت کی ایسی تفسیر بھی فرمادی کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں کسی شک و شبہ اور تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الاموضع لبنة من زاوية من زواياہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ہلا وضعت هذه البنية قال فانا البنية وانا عاتم النبیین (بخاری و مسلم و اللفظ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثل ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت سی عین و جمل گل بنایا مگر اس کے کسی کونے میں ایک بند کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس کے گرد گھومتے اور اس پر مثل مثل کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک بند بھی کیوں نہ لگا دی گئی؟ آپ نے فرمایا میں وہی (کونے کی "خمری" بند ہوں اور میں جمل کو ختم کرنے والا ہوں۔

۲۔ ابن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (بخاری ج ۲ ص ۴۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۳۔ ابن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون فی امی کذابون ثلاثون کلہم یزعم انہ نبی وانا حاتم

النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي (مجادلہ ص ۲۲۸)

حضرت نبین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تمیں جیسے پیدا ہوں گے۔ ہر ایک نبی کے کاکہ میں نبی ہوں ملائکہ میں قائم النبیین ہوں میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں۔

وَمَنْ أَنَسَ بَنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبِيَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ (ترمذی ص ۱۵۵ ج ۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظاہر رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔

میں سوچتا ہوں کہ رسول اللہ اپنی کتاب تقدیر اللہ میں ختم نبوت پر جو دلیل لائے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔

سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے امت کے نبی ہیں اسی طعن انبیاء کے بھی نبی ہیں جس کے دلائل یہ ہیں۔

لہ ارشاد اعلیٰ ہے۔

وَأَنذَرْتُكُمْ لَآئِلَ اللَّهِ مُتَفَاتِلَ النَّبِيِّينَ لَمَّا أَتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَبِحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْقَضُنَّ

اور جب لایا اللہ سے حد بھولوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پر تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا تھا دے تمہارے پاس وہی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لانا کہ اور اس کی مدد کہے۔ (سورہ آل عمران: ۸۱)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فکر (حضرت) موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے۔

جہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

شریعت پر عمل کریں گے۔

جب آپ نبی انبیاء ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے مرتبہ میں فوق ہیں۔ کوئی اور نہ آپ کے برابر کا ہے اور نہ ہی آپ سے بعد کہ اور سلسلہ نبوت مرتبہ میں آپ تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ نبوت کائنات علی سے ہے تو نبوت میں تمام انبیاء نے فوق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام انبیاء سے زیادہ علم حاصل ہے اور کیا وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید ظاہر و باطناً لَکُنْجَلٌ شَرِيعٌ ہے یعنی انکی کتاب ہے جس میں تمام علوم چلائے اور اصول دین اور فلاح دارین سے حصول ضروری امور کا کلیتہً مکمل اور واضح بیان ہے۔ اور جب آپ کو قرآن ہی ملتا تھا جس کے بارے میں یہ حکم دیا گیا تھا ہے رِأْسًا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (ہم نے آپ کو انگری ہے یہ کتاب اور ہم آپ اس کے تحفظ میں ہیں) تو قرآن کے علوم کا پانی در مخلوط رہتا بھی ضروری تھا۔

اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے آتے یا سلسلہ نبوت کے درمیان میں آتے تو آپ کے بعد آنے والے انبیاء کا دین اگر دین محمدی کے خلاف ہوتا تو اعلیٰ اور اعلیٰ سے شروع ہونا لازم آتا ملائکہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

مَا تَنْتَفِعُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَذِيرَةٍ تَأْتِي بَعْثِيرٍ فَهِيَ أَوْ يُنْفِلَهَا (سورہ بقرہ: ۸۷)

جو شروع کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا پھلا دیتے ہیں تو بھج دیتے ہیں اس سے ہجر اس کے برابر۔

اور انبیاء متاخرین کا دین اگر خلاف نہ ہوتا تو جب وہی انبیاء کا خلاصہ لازم ہے اس لئے ان پر وہی آتی اور خلاصہ علوم کیا جائے اور اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہی ہوتے تو اس وہی کی کیا ضرورت ہوتی اور اگر علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو پھر قرآن کا رتبہ ظاہر لَکُنْجَلٌ شَرِيعٌ ہونا ہوتا ہوتا لہذا ضروری ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ

یعنی نے منادی کرتی اور یہ کہ شروع کیا کہ تو کہ کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ اور یہی جلیل کے عہد کے خلائق میں تعلیم دے اور "صلیٰ بادشاہت کی خوشخبری" بنا تھا۔

اور اسی انجیل کے دوسرے باب میں یوں ہے کہ

"یعنی نے اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم کی اور چلے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔"

ان حالات سے معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ (ع) علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے عہد میں آسمانی سلطنت ظاہر نہ ہوئی تھی اور "صلیٰ سلطنت سے لباس شہنشاہ میں نبوت مراد ہے یعنی اندر تو خیر اور زک و دینا اور محبت اچھی دینا اور ظاہر میں سرکشی پائی طور کہ آسمانی احکام کا ابراء ہے اور شیطان و سرکشوں کے شر کا دفع ہے۔ یہ آسمانی سلطنت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی۔

تیسری بشارت

انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا۔

"مگر تم مجھے دوست رکھتے ہو تو میری وصیتوں کو یاد رکھو اور میں باب سے۔۔۔۔۔ ہوں وہ تمہیں فار قیاد دے گا کہ ایک تک تمہارے ساتھ رہے۔۔۔۔۔ اور اب یہ نے تم کو اس کے "سنے سے پہلے خبر دے دی تاکہ وہ اب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔۔۔۔۔ اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔"

سولہویں باب میں ہے

لیکن میں تم سے کچھ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جہاں بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جہاں کا تو فار قیاد تمہارے پاس نہ آوے گا۔ پر اگر میں جہاں کا تو میں اس +

تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

فار قیاد کا لفظ جو کوٹوس کا معرب ہے جس کا معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں۔

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن تک لوگ فار قیاد کے منتظر تھے چنانچہ بعض لوگوں نے فار قیاد ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ چنانچہ منہس سبکی نے دوسری صدی میں دعویٰ کیا تھا کہ میں وہ فار قیاد ہی ہوں کہ جس کی یحییٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ پس بہت سے یصلیٰ لوگ اس پر ایمان لائے۔ اب انصار کا مصنف جو یصلیٰ ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے۔ اسی وجہ سے جوہر کا بادشاہ تھا نبی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل بن کر ایمان لایا اور کہا کہ بے شک یہ وہی نبی ہے کہ جس کی یحییٰ علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی ہے۔ اور چنانچہ یصلیٰ قیاد اور تورات و انجیل کو خوب جان تھا اسی طرح بادشاہ جہو متو قس نے حضرت کی نبوت کا اقرار کیا اور بہت سے پسندہ آپ کی خدمت میں روانہ کئے اور یہ یصلیٰ بادشاہ بھی تورات و انجیل کا بڑا عالم تھا اور جارد بن الظاہ جو اپنی قوم میں یہودیوں کا بڑا عالم تھا حضرت پر ایمان لایا اور کہا کہ بے شک آپ کی خبر انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے دی ہے اور ہر قیاد شہ دہم نے بھی اقرار کیا تھا۔

چوتھی بشارت

تورات سفر اشعہ کے اٹھارویں باب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں تمہارا ایک نبی بھائیوں کا اور اپنا حکم اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو تمہیں میں فرمائے گا وہ سب ان سے ہے گا۔"

یہ بشارت بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر معلق آئی ہے کیونکہ آپ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کے صاحب شہادت رسول تھے اور نبی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل میں سے تھے۔

عقیدہ حضرت محمد ﷺ کی بعثت و نبوت تمام عالم کے لیے ہے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت تمام عالم کے لئے عام ہے یعنی
تپ تمام جہان کے لئے نبی ہیں اور آپ کی نبوت کی وجہ سے جن و انس سب کو شہل
ہے جیسے کہ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے قطعی ثابت کے ساتھ ثابت ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَمَا مَلَأْنَا

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ بِحَقِّ عِلْمٍ

تپ یہ اعلان کر دیجئے اسے لوگوں میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول
ہو کر آیا ہوں۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيُذْهِبَ الْبَغْضَاءَ بَيْنَهُمَا

بارگشت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے ہدف سے پر اتارا تاکہ تمام جہانوں کو اللہ
کے مذاہب سے ڈراے پس آپ تمام عالم کے لئے نبی ہیں اور قیامت تک آپ ہی کی
نبوت کا دور دورہ ہے اور وہی اسلام کے سوا کوئی اور دین قبول نہ ہو گا۔

إِنَّا الْبَيْتِينَ عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا سَلَامٌ (سورہ آل عمران: ۸۴) بلاشبہ دین اللہ کے
نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

وَرَبِّهِمْ لَكُمْ الْإِسْلَامُ وَبَيْنَا (سورہ مائدہ: ۳) اور میں نے اسلام کو
تمہارے دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔

وَمَنْ يَنْتَقِ عِلْمِي إِلَّا سَلَامٌ وَبَيْنَا فَلَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْأَخِرَةِ مِنَ
الْعَاصِينَ (سورہ آل عمران: ۸۵)

اور جو شخص میری تعلیم کو سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے
مقبول نہ ہو گا اور وہ آخرت میں چم کا دھن میں سے ہو گا۔

اور حدیث میں ہے کہ جس یہودی اور نصرانی کو جبری خبر پہنچے اور وہ محمد پر ایمان

نہ لائے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ دو ایمانوں میں سے ہو گا (مسلم)

چونکہ تپ جن و انس دونوں کے رسول ہیں اس لئے حضور کو رسول اللہ تعالیٰ
کئے ہیں۔ تپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بعثت کا حاضر ہونا اور قرآن شریف
کا سنا اور ایمان لانا اور پھر دلائل جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا قرآن کریم کی
سورہ جن اور سورہ انفک میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

عقیدہ حضرت محمد ﷺ تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل ہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل اور
بہتر ہیں۔ اس بات کے دلائل متعدد ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم میں ہے کہ حق تعالیٰ شہدے تمام پیغمبروں سے اس بات کا وعدہ لیا
کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ لائے تو حضور پھرے اور ان پر ایمان لانا اور
ان کی مدد اور نصرت کرنا جیسا کہ: وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكَ
مِنْ كِتَابٍ وَبَعَثْنَا فِيهِمَا رُسُلًا مِّنْهُ مَقْبُولًا لِّمَا تَعْبُدُونَ لِيُؤْمِنُوا بِهِ وَ
لَنَنْصُرَنَّكَ يَا مُحَمَّدُ میں طسریں نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا سید ولد آدم
(میں اولاد آدم کا سردار ہوں) اور ایک اور حدیث میں ہے آدم و من دونہ نحت
لوانی (قیامت کے دن تو میں اور ان کے سوا سب میرے بھٹائے کے لیے ہوں
کے)۔

۳۔ تفسیر کی ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا کان
یوم لقیامۃ کنت امام النبیین (قیامت کے دن میں تمام انبیاء کا امام اور پیشوا
ہوں گا)۔

۴۔ ایک حدیث میں ہے کہ تپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر سے
اٹھیں گے اور سب سے پہلے بعثت میں داخل ہوں گے۔

۱۰۔ ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاء پر چھ جنوں کے ذریعہ فیضیت دی ہے۔ اول یہ کہ مجھ کو ہر اربع الکلمہ عطا کئے گئے (یعنی ایسے کلمات چارہ جن کے الفاظ تو بہت مختصر ہوں مگر بہ شکر علوم اور معارف کے جامع ہوں جیسے انما لا اهل باقیات) دوسرے یہ کہ ایک بیٹے کی سعادت تک رہنے والے کافروں کے دل میں (بلا سبب ظاہری) میرا دُوب والا دیا گیا ہے تیسرے یہ کہ مل قیمت میری امت کے لئے عطا کر دیا گیا جو پہلی امتوں کے لئے عطا نہ تھا۔ چوتھے یہ کہ مجھ کو تمام لوگوں اور آخرین کی شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا کہ تمام لوگوں اور آخرین اور تمام انبیاء و مرسلین مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور میں شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا۔ اسی مقام شفاعت کا یہ مقام محمود ہے پانچویں یہ کہ مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کے لئے مبعوث ہوا اور میں قیامت تک کے لئے تمام عالم کا نبی مقرر کیا گیا ہوں پہلے یہ کہ مجھ پر نبوت شرف کی گئی۔

عقیدہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوقات سے زیادہ وہ علوم عطا ہوئے جن کو ذات و صفات الہیہ اور عملی انکام اور نظری حکمتوں اور عقائد اور اسرار عقیدہ وغیرہ سے تعلق ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی آپ کے برابر نہیں ہو سکتا نہ مقرب فرشتہ اور نہ ہی کوئی نبی و رسول۔ اور آپ کو لوگوں و آخرین کا علم عطا ہوا یعنی وہ علوم شریفہ مروا ہیں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ کی برائی میں واقع ہونے والے ہر ہر واقعہ کی اطلاع و علم ہو اور کوئی ذرا بھی آپ کے مشاہدہ شریفہ سے باہر نہ ہو۔

پانچواں باب

عقیدہ حیات النبی

مقدمہ کے طور پر چند باتوں کو چاہن لیا ضروری ہے۔

۱۔ قبر کے لفظ کا حقیقی اطلاق اس گروہ پر کیا جاتا ہے جس میں میت دفن ہوتی ہے اور عبادی طور پر اس برائی مقام پر بھی دیا جاتا ہے جہاں میت یا اس کے اجزاء ہوں طول وہ اجزاء ایک جگہ جمع ہوں یا مختلف جگہوں پر ٹکڑے ہوئے ہوں مثلاً دریاہ دریاہ ہو کر اس کے ضیافت (Celia) حشرق ہو گئے ہوں پھر خواہ وہ درندوں پر خداں کا جنت ہو یا دریا کی گھاٹی ہو یا آتش کی دہلیز میں راہ کی صورت میں ہو۔

۲۔ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اپنے مستقر میں رہتے ہوئے روح کا جسم کے باہر جسم کے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا جاتا ہے روح کا وہ کلی تعلق جو جسم کے ساتھ دیا گیا تھا مسرت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہتا البتہ اللہ تعالیٰ قائم کر دیا جاتا ہے جس سے علم و شعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث میں یہ علماء روح کا ذکر ہے اس سے یہی تعلق مراد ہے۔

۳۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے بیٹے کے لئے لٹے اور قبرستان میں پہنچے لیکن بھی قبر چار نہیں ہوئی تھی۔ آپ بھی وہی تحریف فرما ہوئے اور ہم بھی آپ کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ آپ نے (ایک خوبیل حدیث میں) مومن اور کافر کی وقت کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مومن کے ہارسے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے۔

حنی ینتھن ینھا الی السماء السابعة فیقول اللہ اکبیرا کذاب
عیسیٰ فی علیین و اعیلوہ الی الارض فانی منها خلقنہم و فیہا

اعینہم و منها اخرجهن ناراً اخری فتعاد روحہ فی جسدہ فیاتہ
ملکان فیجلساۃ فیقولان لہ من ربکم۔۔۔ الحدیث

مومن کی روح کو پھر ملائی آسمان پر پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ
میرے بندے کا نام علیہیں میں روح کر دو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ
میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹوں گا اور اسی سے دوسری
مرتبہ نکالوں گا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹتی جاتی ہے تو اس کے پاس وہ
فرشتے آتے ہیں اور اس کو بھٹکا کر من ربکم آج سے سوال کرتے ہیں (مسند احمد)

یہ مذکورہ چار حلقوں کی وجہ ہے کہ فرشتے میت کو قبر میں لے جاتے ہیں اور اس
سے سوال جواب کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد عذاب و راحت کے حالات مزاحمہ پر
گزرتے ہیں۔ ان تمام حالات کے واقع ہونے کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے کہ اگر میت
کا صرف ایک غلیہ (Cell) بھی موجود ہو تو دونوں اس کے ساتھ حلق قائم کر دیا
جائے اور تمام احوال اس ایک غلیہ پر گزریں اور دونوں کا دروازا کر سکے اور ان
سے حاش ہو سکے۔

حضرت شہ عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

و مقام علیہیں بالآلئہ بفت اسمان است و یائین آن متصل سدرۃ
المتنہیں است و بالآلئہ آن متصل بیابہ راست عرش مجیدہ و ارواح
نیکان بعد از قبض دران جامیر سند و مقربان یعنی انبیاء و اولیاء
دران مستقر می مانند و عوام و صلحاء را بعد از نویسانین و رسیین
نامہائے اعمال بر حسب مراتب در آسمان دنیا۔۔۔ و تعلق بہ قبر
نیز این ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و
دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب
و بعد مکانی مانع این دریافت نمیشود۔ (تغییر مرئی یادہ نمبر ۳۰)

اور علیہیں کا مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا زمینی حصہ سدرۃ

المتنی سے متصل ہے اور اس کا پانی حصہ عرش مجید کے دائیں پاس کے ساتھ متصل
ہے اور نیک لوگوں کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد وہیں پہنچایا جاتا ہے اور مقربین
یعنی حضرت انبیاء کرام و اولیاء کی ارواح کا مستقر بھی وہی ہے اور عام صلحاء کو وہیں
پہنچائے اور ان کے بعد اہل گنہ کے بعد حسب مراتب آسمان دنیا میں۔۔۔ اور
ان ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے
ہیں اور جو ان کے اقارب اور دوسرے دوست آتے ہیں ان کی آمد سے وہ مطلع اور
ان سے باتیں ہوتی ہیں کیونکہ روح کے لئے قرب اور بعد مکانی اس دریافت سے مانع
نہیں ہے۔

تفسیر: جن جن ارواح کو عالم برزخ میں جسم مثالی دینے جاتے ہیں روح کا اپنے
مستقر میں رہنے ہونے جسم مادی کے ساتھ ساتھ اس جسم مثالی کے ساتھ بھی ایسا
تعلق ہوتا ہے۔

حضرت شہ عبد العزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ روح جس میت را بہتر دیکھد اوراک و تلم و تقدیر ازو حاصل شود بدست
از اہل ان غریب موجود یا مثلیہ بخیرہ حقیقی میازد (فتاویٰ رضویہ بحوالہ حسین العدو
ص ۳۹)

اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس انداز سے کہ اوراک اور تحلیف اور لذت
اس سے حاصل ہو موجود اجسام غریبہ یا مثلیہ دیکھتے ہوئے اجسام مثلیہ میں سے جان کے
ساتھ حقیقی کرتا ہے۔

مر روح کا جسم مادی کے ساتھ حقیقی مشغول ہوتا ہے۔ عام ارواح میں بقا
تعلق ہوتا ہے خواہ میں یہ حقیقی اس سے قوی تر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے
جسم بہت دیر تک پائی رہتے ہیں۔ اور انبیاء عظیم السلام میں یہ تعلق تو خواہ سے
بہی زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اجسام مبارک محفوظ رہتے ہیں اور ان سے
اہل المل مثالی حاشہ ازادہ حاضر ہوتا ہے۔

ہر قبر میں ہادی جسم پر جو حالت گردزستہ ہیں ان کا تعلق چرنگ عالم برزخ سے ہے جو ہماری نگاہوں سے لوکل ہے اس لئے ہادی اور حسی دنیا میں گو ہمیں یہ حالت اور اصل (حقیقۃ النبیاء کا اپنی قبروں میں لٹا پڑھنا) ہوتے نظر نہ آئیں لیکن انہوں نے اس سے بخبردار اور انہوں نے عالم ہادی سے علیحدہ عالم برزخ میں سرمل یہ واقعہ ہوتے ہیں۔

اہل سنت کا حیات اہلیم کے نام سے جو عقیدہ ہے وہ قتلہ یہ ہے کہ وہ حیات (یعنی روح مبارک کا اپنے مستقر اعلیٰ علیین میں رہتے ہوئے جسم مبارک کے ساتھ قوی ترین تعلق) عالم برزخ میں ہوتی ہے لیکن قوی ترین تعلق کی بنا پر عالم برزخ میں اس جسم ہادی کے ساتھ لٹا پڑھتے ہیں۔ اگرچہ اس میں اور ہادی عالم میں وہ ہمیں لٹا پڑھتے ہوئے نظر نہ آئیں) اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی حیات دنیا کی ہی ہے۔ حیات اہلیم کا یہ عقیدہ لسانی ہے۔

علامہ دکن ابن عساکر بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

والحاصل ان حباۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع (کروا تہنیک الصدور ص ۲۲۱)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات ۱۵ جماعت ثابت ہے۔

اور علامہ جلیل الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

حباۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ہو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الأدلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک (کروا تہنیک الصدور ص ۲۲۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر انبیاء کی حیات انہوں نے نزدیک قلعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر انہوں نے نزدیک دلائل قائم ہیں اور قاتل کے ساتھ انہیں موجود ہیں اور اس پر دلائل ثابت ہیں۔

تنبیہ: فرشتے جو آکر قبر میں دفن میت کو نکالتے ہیں اور اس سے سوال

خواب کرتے ہیں یا انبیاء علیہم السلام اپنے اجسام مبارک کے ساتھ لٹا پڑھتے ہیں تو ایسا عالم برزخ میں ہوتا ہے۔ ورنہ عالم ہادی میں تو وہ ہمیں لکھتے ہی ہوتے نظر آئیں جیسے عالم خواب میں ایک شخص بیٹھا یا کھڑا ہوتا ہے یا دوڑ رہا ہوتا ہے حالانکہ عالم ہادی میں وہ اپنے بہتر لیٹا ہوا نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اہل اہل قریٰ ہے کہ عالم خواب عام طور سے ایک فیلی عالم ہے جب کہ عالم برزخ ایک واقعی عالم ہے۔

تنبیہ

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الانبیاء احباۃ فی قبورہم یصلون یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور لٹا پڑھتے ہیں۔ (تہنیک الصدور ص ۲۲۰)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مردت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکشیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبرہ (مسلم)

میں میراں کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا جو سرخ رگ کے نیچے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے لٹا پڑھ رہے تھے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من صلی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعدہ اعلمتہ (تہنیک الصدور ص ۲۲۱)

جس نے میری قبر کے پاس دوڑ پڑھا تو میں اسے خود سنا ہوں اور جس نے مجھ پر دوڑ سے دوڑ پڑھا تو وہ مجھے (واسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ بن جوس سے روایت ہے قالوا یا رسول اللہ وکیف

نعرض صلواتنا علیک و قد امرت فقال ان الله عزوجل حرم
على الارض اجساد الانبياء

لوگوں سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور روپ ہر کس
طرح پیش کیا جائے گا جب کہ آپ رہے رہے ہو چکے ہوں گے آپ نے فرمایا۔ اللہ
تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام حرام کر دیے ہیں۔

بلشت کا جو عقیدہ ذکر ہوا ہے قرآن پاک کے میں موافق ہے قرآن پاک میں

ہے۔
اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَازِلِهَا
فَبَشِّرْهُنَّ بِالنَّارِ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ لَمَّا قَامُوا خَتَمَ اللَّهُ الْأَبْصَارَ
وَالْأَفْصَارَ وَتَوَفَّى هَاجِرًا وَنَافِثًا (سورہ زمرہ: ۴۴)
ترجمہ اللہ کبھی لیتا ہے جاں جب وقت ہو ان کے مرے گا اور جو میں میں
ان کو کبھی لیتا ہے ان کی خیمہ میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنے والا ہے اور چھوڑ
دیتا ہے وہاں کو ایک طرہ وقت تک

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردان کو خیمہ میں کبھی لیتے ہیں تو سوسے
ہوئے دی کی روح اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے لیکن جسم کے ساتھ اس کا تعلق
قطع نہیں ہو تا اب اس سے روح جسم پر خیمہ کے عالم میں کیا کہ حالت میں
گزرے۔ جسم سے اتصال تک صادر ہوتے ہیں خلا کوٹ بدن ہنگ سیکڑا ہونا میں
تک کہ بعض لوگ تو خیمہ میں چٹا شروع کر دیتے ہیں اور بچے اپنا سچا دہرانے لگتے
ہیں۔

جو عقیدہ بیان ہوا وہ اس کیفیت کے ساتھ موافقت رکھتا ہے روح جسم بخاری سے
ٹھیکہ اپنے مقدر میں رہے بلشت جسم کے ساتھ اس کا تعلق ہو جو اگر قوی ترین ہو تو
جسم سے لڑا کا فضل صادر ہونے لگے۔ جس اتنا فرق ہے کہ خیمہ میں ہمیں جسم سے
صادر ہونے والے اتصال کا شعور نہیں ہوتا اور عالم بدن میں یہ شعور ہونا ممکن نہیں
ہے۔

بلکہ ایک قدم نور آگے بڑھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو میرے
یہ معتقد حیات دنیوی میں پیش آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارٹو ہے۔

ان عینیں تنامان ولا یندام قلبی یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن
میرا دل میں سوتا (نظاری ج ۱ ص ۵۵)

اس حدیث کے ساتھ جب مذکورہ آیت کا مضمون ملایا جائے تو پتہ چل جاتا ہے
کی کہ خیمہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آپ کے جسم سے
خارج ہوتی ہے لیکن روح کے ساتھ قوی ترین تعلق کی بنا پر آپ کا قلب مبارک کام
کرتا رہتا ہے اور آپ اللہ کو خیمہ کی حالت میں مت سے امور کا شعور و نوراک بھی
مائل رہتا ہے۔

بعض متقدمین کا نبی ﷺ کی شان میں غلو

پسلا غلو۔ نبی ﷺ کے لئے جمیع ممکن و ناممکن کا علم ملتا

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت و صفات سے حقیقی علم کے علاوہ انزل سے ایک نیک یعنی روز اول سے قیامت کے دن تک عالم اور کائنات میں ہونے والی ہر ہر حرکت اور ہر ہر ارادے کا علم عطا فرمایا۔ آپ کو لوگوں کے دلوں کے ارادوں اور خواہشوں اور نیکیوں پر اطلاع ہے۔ لوح محفوظ کے جمیع مندرجات کا آپ کو علم ہے حتیٰ کہ معصیتِ خدا کا بھی آپ کو علم حاصل ہے۔

متقدمین کی پہلی دلیل

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں لہذا ضروری ہے کہ آپ سب کے علوم پر حاوی ہوں۔ اصول ہوں تو اصول سے اور تفصیلات ہوں تو تفصیلات سے واقف ہوں۔

جواب

یہ دلیل باطل ہے کیونکہ ہر مسلمان کو شیطان پر فعل و شرف حاصل ہے لہذا مذکورہ دلیل کی رد سے ضروری ہو گا کہ ہر مسلمان شیطان کے تمام علوم پر حاوی ہو۔

ملاحظہ یہ بات بہت باطل ہے۔

اس طرح قرآن پاک میں ہے جب نے ذکرِ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہلا
 وَأَحْطَّت بِمَا لَمْ يَحْطُ بِهِ وَيَشْكُرُ مِنْ سُبْحَانَ رَبِّهِ يُفِثُ فِيهِ (سورہ نمل: ۳۲)
 میں ایسی بات معلوم کرے گا کہ اس کو آپ کو معلوم نہیں ہوتی اور میں آپ کے
 پاس قبیلہ سہا کی ایک حقیقی خبر لایا ہوں۔

چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلاشبہ جبہ پر نصیبت حاصل تھی لہذا مذکورہ
 دلیل سے لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس قدر کا پہلے سے علم ہو
 ملاحظہ فرمایا میں ہے کیونکہ قرآن پاک میں جبہ کا قول احطت بمالہ تعطیہ (میں
 نے ایسی بات معلوم کی جو آپ کو معلوم نہیں ہوتی) بلا تکثیر نقل ہوا ہے۔

دوسری دلیل

قرآن پاک میں ہے وَتَرَانَا عَلَيْهِكَ الْيَكْنُوبُ رَبَّنَا إِنَّا لَكُلِّ شَيْءٍ بِعَيْنِ بِنَا
 کہہ یہ قرآن کو ہر چیز کا جاننا کا کرنا مل گیا۔

جواب

۱۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب الحقائق میں لکھتے ہیں کہ۔ "علم نے کہا ہے
 کہ جو شخص قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرے تو وہ لوہا اسے قرآن ہی سے طلب کرے
 کیونکہ قرآن میں جو بات ایک جگہ لکھا جانے والی ہے کسی دوسری جگہ اس کی تفسیر کر
 دی جاتی ہے اور جو بات ایک جگہ عقرا بیان ہوتی ہے بالوقت دوسری جگہ وہ مفصلاً
 ذکر کر دی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ اور اگر وہ قرآن میں نہ پائے تو سنت سے طلب
 کرے کیونکہ سنت قرآن کی شان اور اس کی وضاحت کرنے والی ہے۔" اس ضابطہ
 کے مطابق اس بحث کی تفسیر میں جب دوسری آیتوں کو دیکھیں تو یہ نتیجہ ملتی ہیں۔

۲۔ بِسْمَلِئِلكَ عَنِ الشَّاعَةِ يَا مَنْ مُرْسِنُهَا قُلْ إِنَّمَا عَلَّمْتُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا
 يُجِيبُنَهَا إِلَوْفَهَا إِلَّا أَنَا (سورہ اعراف: ۱۸۵)

اسے ظہیر یہ لوگ تھے کہ قیامت کب ہونے کا پتہ ہے تو کہہ اس کی خبر
 تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی ظاہر کر دے گا اس کے وقت پر
 قُلْ إِنْ أَفْرَى أَقْرَبُ مَا نَعْبُدُكَ أَنْ نَحْنُ بَعْدَ لَكَ رَبِّهِ أَمَّا (سورہ جنہ: ۲۵)

تو کہہ میں میں میں جانا کہ نزدیک ہے جس چیز (یعنی قیامت) کا تم سے وعدہ ہوا ہے

یا کہے اس کو میرا رب ایک مدت کے بعد

۳ وَجَنَّةٌ مَّتَّاعٌ الْغَيْبِ لَا يَمْلِكُهَا إِلَّا هُوَ (سورہ انعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس جہنم ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا

مِنْ إِلَهِ اللَّهِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ

اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ

۴ صَدَقَ كَيْفَ مِنْ رِيسَالِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعْلَمُ مَعَانِيهِ

الغیب خمس لا يعلمهن الا الله یعنی غیب کی کچھوں پہنچ ہیں جنہیں اللہ کے

سوا کوئی نہیں جانتا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ اللَّهُ يَهْدِي مَا يَشَاءُ

سے یہ امور مشتق ہیں۔

فرض یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن میں ہر بات کا ذکر نہیں ہے اور مغیبات

خمسہ (پنچ قیامت کب آئے گی، توحی کل کیا کسب کرے گا، بارش کب ہوگی،

آدمی کی موت کب ہوگی اور دم میں کیا ہے) کا علم بھی نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

جب حقیقت یہ ہے تو قرآن کے نبی نَا لِكُلِّ شَيْءٍ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

قرآن ایسی کتاب ہے جس میں تمام علوم دہشت اور اصول دین اور فلاح وادین سے

مخلوق ضروری امور کا کلیتہً مکمل اور واضح بیان ہے۔

اور لیکن جبر و رحمت اللہ اس کتاب کی تعمیر میں سمجھتے ہیں۔

اللہ فرماتے ہیں اے محمد (ﷺ) آپ یہ قرآن ادا کیا ہے اس حال میں کہ یہ

حلال و حرام اور ثواب و عذاب ایسے تمام امور کو بیان کرنے والا ہے جن کی لوگوں کو

خبردارت ہے۔

دوسرا غلو۔ نبی ﷺ کو مختار کل جانتا

بعض جہد میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

خود ازل کے جانب مطلق ہیں۔ تمام جہاں آپ کے تعریف میں دے دیا گیا ہے جو جہاں

کرمی جسے جو جہاں دیں اور جس سے جو جہاں واپس لیں تمام جہاں میں ان کے عمر

کا پھرنے والا کوئی نہیں۔ تمام زمین کی تک ہے اور تمام جنت ان کی جاگیر ہے۔

حکمت امورات وادریش آپ کے زیرِ فرمان ہیں جنت و جہنم کی کچھوں آپ کے ہاتھ

میں دے دی گئی ہیں۔ فرض آپ پر ہم کی طاعت روائی کر سکتے ہیں اور دنیا و آخرت

کی سب عمریں آپ کے اختیار میں ہیں۔

جہد میں کے اس عقیدے کے خلاف قرآن پاک کی یہ آیات صریح ہیں۔

لَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ صَلَاةَكَ لِطُرُقِ اللَّهِ وَلَا تَقْعُدَنَّ عَنِ الصَّلَاةِ

آپ فرما دیجئے کہ میں الہی ذات خاص کے لئے تو کسی ضرر اور نفع کا اختیار رکھتا

ہی نہیں مگر جتنا خدا کا منظور ہو۔

وَقُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عَيْنٌ عَيْنٌ خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ

لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے

رازے ہیں اور نہ ہی میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں

کہ میں فرشتہ ہوں۔

تیسرا غلو۔ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہنا

کچھ بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ عالم الغیب کا احاطہ و

استعمال بجا ہے جس کے دلائل یہ ہیں

پہلی دلیل

عام طور پر شریعت کے فتووات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی

دانش بلا واسطہ اور ذریعہ اور بغیر کسی کے تعلق سے ہونے معلوم ہوں اور یہ شان صرف

ان تعالیٰ کی ہے لہذا اگر کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جائے تو اس طرف عالم کی وجہ

سے لوگوں کا دین اس طرف جانے لگا کہ ان کو بھی بلا واسطہ غیب کا علم ہے حالانکہ یہ عقیدہ شرک کا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب کہ بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہو سکے کہ قاضی کی مراد غیب بلا واسطہ میں ہے اس لئے غلط ہو گا کہ اس سے ایک مشرک ذلیل کا شہرہ ہوتا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیاں کا امیہ ہو سکتا۔

۱۔ قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلفہ و راعا سے خطاب کرنے کی ممانعت۔ بعض مروجوں نے ایک شرارت ایجاب کی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اگر کلفہ و راعا سے آپ کو خطاب کرتے جس کے معنی ان کی میرانی زبان میں برسے ہیں (یعنی حق کے ہیں) اور وہ اس نیت سے کہتے اور جہلی میں اس کے معنی بدست آتھے ہیں کہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے اس لئے جہلی و ان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعض مسلمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے اس سے ان شریعوں کو اور گنجائش ملی۔ حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کے لئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ قرآن و احادیث سے متکا کہ نگاہ اس کی جگہ انحراف نہ دیا کہ جس سے تمہارا مطلب بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

۲۔ حدیث میں اپنے غلاموں اور بندوں کو عیدی (عید کا نام) اور اسی (عیدی) باندی) کہنے سے ممانعت اسی لئے آئی ہے کہ یہ کلمات چنگ نہ بنے اور باندی کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں لہذا اپنے غلاموں کو ہم ہو سکتا ہے کہ یہ کہنے والوں کو اپنا بندہ اور باندی کہہ دیا ہے اگرچہ خود کہنے والے کا کیا قصد ہو۔

دوسری دلیل

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جاتا تو آپ اس وجہ سے کہ

آپ کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپ کو کل غیب کا علم ہے۔
۱۔ دوسری حق تو اس لئے باطل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض غیب کی باتوں کا علم نہ ہو اسی اور نقلی دلیل سے ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے۔
لَا تَلْوُكُنَّ أَحْلَامَ الْعِزِّبِ لَا تَسْتَكْشِرُنَّ مِنَ الْعَزِيزِ
اور اگر میں بیان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھائیوں حاصل کر لیتا
۲۔ اسی طرح یہ علم کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلی قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بعض منافقین نے حسرت لگائی جو قصد ایک کے نام سے مشہور ہے آپ کی فکر اور پریشانی اور تحقیق و تحقیق کے باوجود انکشاف نہیں ہوا۔ ایک بار بعد جب وہی مثال ہوئی اور سورہ نور کی آیتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال سے باخبر کیا گیا اور آپ کو اطمینان ہوا۔

اور پہلی حق (یعنی بعض غیب کے علم کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا) اس لئے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان کو عالم الغیب کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے (مثلاً ہمت و دوش کا علم اور فرشتوں کا علم) اور چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا ہر اعتبار سے (یعنی مثلاً لفظ اور معنی) باطل ہے لہذا مذکورہ وجہ کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق کی جائز نہیں ہو سکتا۔

فرشتوں کا بیان

مجھے انہی کے ذریعے مائل ہوتے رہے۔ یہ ان کو نہایت لذت اور حلاوت سے پہنچنے والے ہیں اور خطا اور غلطی سے بہت دور محفوظ ہیں۔ فرشتوں نے جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب حق اور صواب اور صواب ہے اس میں ذرہ برابر کسی غلطی کا اہل اور اشتباہ نہیں۔ قرآن پاک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ عظمت بیان ہوئی۔ اِنَّهُ لَقَوْلُكَ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٌ مُّطَاعٌ تَتَمَّ اَمِيْنٌ (پہچان دے جانے والے ہیں) عزت والے ہیں) قوت والے ہیں۔ وحی کے پاس وہ درجہ پائے والے ہیں۔ سب کے سامنے ہیں اور لذت دار ہیں) فرشتے بہت ہیں ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس کثرت سے ہیں کہ سہل و دشمن کی کوئی چیز ان سے غلط نہیں ہے۔

ملائکہ (فرشتوں) کی اقسام

اسلام اور زمین بلکہ تمام الہام عالم پر فرشتے مقرر ہیں۔ حکم خداوندی اس کے حوالہ اور عہدہ ہیں۔ ان میں سے بعض مخلصانِ وحی ہیں اور بعض وحی کے گرد مصروف بہت کمزیر ہیں اور بعض وحی کے طواف میں مشغول ہیں۔

الَّذِيْنَ يَخْلُقُوْنَ الْعُرَشَ وَمَنْ حَوْلَهَا يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
جو فرشتے وحی کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اللہ کی حمد کے ساتھ پکی بات کرتے ہیں۔

بعض جنت کے مخلصان ہیں حتیٰ اِنَّا جَاءَنَا وَهَآءُ وَفُضِّتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ خَالِدِيْنَ فِيْهَا فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ (سورہ زمرہ ص ۲۴)

میل تک کہ جب پہنچی جائیں جنت پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کھلے گئیں ان کو اس کے دروازہ سلام پہنچے قرآن تو لوگ پانچواں ۱۱۳ داخل ہو چکا اس میں سدا رہتے گو

بعض «دنش کے مخلصان ہیں حتیٰ اِنَّا جَاءَنَا وَهَآءُ فُضِّتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

قرآن و الموعظ بلکہ کتب سہلہ بھی فرشتوں کے ذکر سے ہیں
فرشتے اور انی تعلق ہیں اور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جسم لطیف والے ہیں جس فعل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں کیونکہ جان ان کے حق میں لپس کا حکم رکھتا ہے۔
نہ وہ صواب ہیں نہ عورت یعنی وہ مرد و عورت کی جنس سے جدا ہیں۔
کھانے پینے اور سنے اور دن و رات اور تمام حاصل سے پاک ہیں بلکہ صفات بشریہ جیسے جنس اور حس اور غضب اور تکبر اور حرص و غم سب سے بری ہیں۔
فرشتے اللہ تعالیٰ کے کرم ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ کی غافریتی سے پاک ہیں۔ جس چیز کا ان کو حکم ہوتا ہے ان کو بجا لاتے ہیں۔

لَا يَعْصُوْنَ اِلٰهًا مَّا اَكْرَمَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُوْمَرُوْنَ
وہ اللہ کی کسی امر میں غافریتی نہیں کرتے اور جس چیز کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو کرتے ہیں۔

افساب فرشتے کچھ و مٹیوں کا ہے پاک ہیں۔
ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مہلت اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں کسی وقت بھی مہلت میں سستی نہیں کرتے

يُسَبِّحُوْنَ لِيْذِ الْبَلَدِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُوْنَ
دن رات اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔
خدا تعالیٰ جس کام پر ان کو مقرر کر دیا وہی کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے سلامت کا حکم لیا ہے۔ انہیں پر حق تعالیٰ کی ستمیں اور

تَرَكْنَاهَا اَللّٰهُمَّ بِاَيْتِكَمْ رَسُوْلٌ مِّنْكُمْ (سورہ اعراف)

میل تک کہ جب پہنچ جائیں جہنم پر کوئے جائیں اس کے دروازے اور کئے گئے ان کو اس کے دروازہ کی بات پہنچے تھے تمہارے پاس رسول بعض ملائکہ رحمت ہیں اور بعض ملائکہ عذاب ہیں۔ بعض قبض اداوار پر مقرر ہیں۔

بعض آدمیوں کو شیطان اور مہادی جنوں سے بچانے کے لئے مقرر ہیں۔ بِسْفُطُوْنَ لِمَنْ اَمَرَ اللّٰهُ بِئِنَّ اِنْسَانَ كِىْ اَمْرًا هِىَ سَ عَقَابَتِ كَسْتِ هِى۔ بعض فرشتے اعلیٰ کھٹے پر مقرر ہیں قَوْنِ عَزَّوَجَلَّ لَحِيْقُ طِيْنٍ كِزَا اَمَّا كِزَا نَبِيْنِ يَبْتَسُوْنَ مَا نَفَعُوْنَ بِمَعْنٰى كِىْ قَمِ پَر بزرگ عطا چھوڑ دے گئے ہیں کہ وہ تمہارے اعلیٰ کھٹے ہیں اور جو تم کہتے ہو اس کو وہ جانتے ہیں۔

بعض قبر میں مردہ سے سوال کرنے پر مقرر ہیں۔ جن کو سکر تھکرتے ہیں۔ بعض کو اللہ نے ہوا سے متعلق کر رکھا ہے اور بعض کو ابر سے اور بعض دوزی پہنچانے پر مقرر ہیں۔

فرض یہ کہ دنیا اور "قرت کے مختلف کاموں پر فرشتے مقرر ہیں اور مختلف کام ان کو تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ فرشتوں پر ایمان لانا ضروریات میں سے ہے اور ان کا انکار بلاشبہ کفر ہے۔

سب سے زیادہ مقرب چار فرشتے

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ انبیاء پر وحی لیا کرتے تھے اور وحی کا دواہی کے سپرد تھے۔

۲۔ حضرت میکائیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی روزی پہنچنے پر مقرر ہیں۔

۳۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جن کے سپرد قیامت کے دن صور پھونکنا ہے۔

۴۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام جو قوم عالم کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔ جسور عطا کے نزدیک حضرت جبرئیل امین سب سے افضل ہیں اور بعض احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

کتاب الیہ کا بیان

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں اور مجھے نازل کئے وہ سب حق ہیں اور ان پر ایمان لانا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور مجھے انبیاء و مرسلین پر نازل فرمائے ان کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ان میں سے پہلے پچھوٹے پچاس مجھے حضرت یسٰی علیہ السلام پر اور تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس حضرت آدم علیہ السلام پر اترے۔ اور پتی اور مشور کتابیں توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور مگرشتم تمام آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے لئے نازل ہے۔ دیگر کتابیں اور مجھے صرف مومنوں کے اعتبار سے مجرّے جب کہ قرآن پاک نظم (لفظ) اور معنی دونوں کے اعتبار سے مجرّے۔

تنبیہ

قرآن پاک کے علاوہ جو کتابیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں ہم پر ان کی تصدیق لازم نہیں ہم فقط اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جو توریت اور انجیل اور زبور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائی تھیں وہ برحق تھیں اور اس زمانہ کے لوگوں پر اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض تھا اسی طرح ہم بھی ان تہذیبوں پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر انکریں لیکن موجودہ توریت و انجیل سب تحریف شدہ ہیں۔ قرآن و حدیث سے ان میں تحریف نہ ہوا ثابت ہے۔ اس لئے اس میں وہی حصد ماننے کے قابل ہے جس کی تصدیق ہم کو قرآن و حدیث

سے ہو جائے

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (سورہ نساء: ۴۶)
بعض یہود مجھ سے ہیں بات کو اس کے لحاظ سے (یعنی بدلے) ہیں اور تحریف کرتے ہیں۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (سورہ بقرہ: ۷۸)
سو عرض کیا ہے ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے مگر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے مگر لیس اس پر توڑی سی قیست

- (۱) ظم کا اٹھ چلا اور ہل کا زیادہ ہونا
- (۲) زنا کاری اور شراب خوردی کی کثرت
- (۳) لپ سڑک زنا کا ہونا اور جانوروں کی طرح اپنی خواہش کو پورا کرنا
- (۴) عورتوں کا زیادہ ہونا اور مردوں کا کم ہونا یہاں تک کہ چالیس عورتوں کا خیر گیری کرنے والا صرف ایک مرد ہو گا
- (۵) مزاحیر اور معاذف یعنی گائے بجانے کے سلطان اور گنے والی عورتوں کا غلبہ

طور پر ہو جائے

- (۶) جمعیت کا عام طور پر پھیل جانا
- (۷) مل کی تفریق اور پوری کی لطافت
- (۸) دوستوں کو قریب بھلنا اور باپ کو دور کرنا یا دونوں سے رعبت اور باپ سے غرت۔

(۹) حکام کا ملک کے حاصل کو اپنی ذاتی دولت سمجھنا

(۱۰) لائٹ کو کوٹ کاہل سمجھ کر دیا جانا

(۱۱) اعتقاد اور ملائحتوں کا امیر اور حاکم ہونا

(۱۲) راجپوتوں اور فاضلوں کا اپنے اپنے قبیلہ کا سردار ہونا

(۱۳) حیا اور شرم کا اٹھ جانا

(۱۴) ظم اور ستم کا رواج ہو جانا وغیرہ وغیرہ

ان کے علاوہ اور بھی قیامت کی بہت سی علامتیں ہیں جو احادیث صحیحہ میں آئی ہیں۔ وہ سب حق اور بجا اور درست ہیں۔ ان میں سے ناکند و بیشتر ظاہر ہو چکی ہیں اور دل کو فتنہ ظاہر ہو رہی ہیں۔

قیامت کی علامات کبریٰ کا بیان

وہ نشانیاں جن کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت

کے قریب ظاہر ہوں گی جیسے لام مدی کا عبور اور جبل کا خروج اور حضرت یحییٰ بن مریم کا آسمان سے نزول اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کا خروج وغیرہ ان کو اشراف سامع کہتے ہیں۔ قَهْلَ يُنْظَرُونَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ يَّاتِيَهُمْ بَغْتَةً فَفُتَتْ سَاجَاتُ الشَّيْطَانِ۔ ان تمام علامتوں کو حق اور بجا اور درست سمجھا اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

لام مدی

قیامت کی علامت کبریٰ میں پہلی علامت لام مدی کا عبور ہے۔

مدی لغت میں پرہیزگاری کہتے ہیں۔ معنی عری کے لحاظ سے ہر اس عالم کو جس کا ظم صحیح ہو اس کو مدی کہا جاسکتا ہے بلکہ ہر شخص اور بچے مسلمان کو مدی کہا جاسکتا ہے لیکن جس مدی موجود کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر زمانہ میں اس کے عبور کی خبر دی ہے اس سے ایک خاص شخص مراد ہے جو حضرت عیسیٰ عجلت اہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہو گا اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام محمد اللہ علیہ السلام کا نام ہو گا صورت اور سیرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ ہو گا حدیث کے روئے والے ہوں گے کہ میں عبور ہو گا شام اور عراق کے لویاء اور اہل ان کے باقیہ پر بیت کریں گے اور تاج انکے یعنی خاندان خاند کعب میں دفن ہے وہ تلک کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ لونا حب اور بھر تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔ دنیا کو بدل اور انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے پیشتر ہم و ستم سے بھری ہو گی۔ شریعت محمدی کے مطابق ان کا عمل ہو گا لام مدی کے نذر میں وہاں لگے گا اور انہی کے نذر بادشاہت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام آسمان سے مدین کے شرقی منارہ پر صبح کی نذر میں نازل ہوں گے اور لام مدی کے پیچھے نذر ادا فرمائیں گے لام مدی نضارتی سے چند کریں گے اور انصاف کو حق فرمائیں گے۔

فائدہ جلیلہ

اہل سنت و اجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ لام مدی کا اخیر زمانہ میں حضور حق اور مدعی ہے اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ لام مدی کا حضور اصلیت حوازیہ اور افعالیہ امت سے جلیت ہے۔ اگرچہ اس کی بعض خصوصیات امتیاز تعلق سے جلیت ہوں۔ مدعیہ و پنجین سے ملے کہ اس وقت تک لام مدی کے حضور کو مشرق و مغرب میں ہر جگہ کے مسلمان علماء اور علماء عوام اور خواص ہر قرن اور ہر عصر میں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔

خروج دجل

قیامت کی عظمت کبریٰ میں سے دوسری علامت خروج دجل ہے جو اصلیت حوازیہ اور افعالیہ امت سے جلیت ہے۔

دجل دجل سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں بڑے جھوٹ اور کھراؤور قریب اور حق اور باطل کو خطا نظر کرنے کے ہیں۔ تقویٰ معنی کے لحاظ سے ہر مجھنے اور سنا کر کو دجل کہہ سکتے ہیں لیکن حدیث شریف میں جس دجل موجود کے خروج کی خبر دی گئی ہے وہ ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یود سے ہو گا اور مسیح اس کا لقب ہو گا۔ کلا ہو گا اور ایک جگہ میں انور کے دانے کے برابر ہونے ہو گا۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ک فہ رکھا ہو گا۔ سب سے پہلے اس کا حضور شیم اور عراق کے درمیان ہو گا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر مسلمان آئے گا وہیں ستر ہزار یودی اس کے تعلق ہو جائیں گے بعد ازاں وہ خدا کی کا دعویٰ کرے گا اور زمین میں فساد پھیلانا بھرے گا۔ حق تعالیٰ ہندوں کے اٹھان کے لئے اس کے ہاتھ سے قسم قسم کے کشتے اور غارت ملکات امور ظاہر فرمائیں گے لیکن اخیر میں وہ ایک شخص کو قتل کر

کے زندہ کرے گا اور پھر اس کو قتل کرنا چاہے گا لیکن اس کے قتل پر ہرگز قدرت ہو گا تو اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ شخص دعوئے خدا کی میں باطل جموٹا ہے اس لئے کہ لول تو اس کا کلا ہو تا ہی اس کے خدا نہ ہونے کی نسبت روشن اور بین دلیل چمکے۔ ہم یہ کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک فہ رکھا ہو گا۔ سوم یہ کہ قتل کرنا لینا اصل ہے جو ہر کی قدرت میں داخل ہے۔ جب اس میں اب یہ قدرت باقی نہ رہی کہ وہ دوبارہ قتل کر سکے تو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ جو چند روز اس کے ہاتھ اندیشہ موتی کا حضور ہوتا رہا وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اس کے ہاتھ سے ہو کر لایا گیا وہ فعل استمداد حق اور انوار اور امتحان تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس جب مرہ لایا جاتا تو حضرت یحییٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرتے کہ اے پروردگار تو اپنی قدرت سے اس مرہ کو زندہ فرما۔ حق تعالیٰ حضرت یحییٰ کی دعا سے مرہ کو زندہ فرما دیتے اس طرح سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدا کی کا شہرہ بھی نہ ہوتا۔ بلکہ ان کا خدا کا متین اور برگزیدہ بندہ ہوتا۔ جلیت ہو جاتا۔

خروج دجل کب ہو گا

لام مدی ظاہر ہونے کے بعد نصاریٰ سے جہاد و قتل کریں گے یہی تک کہ اب تحفظ کے کو حق فرما کر شیم واپس ہوں گے اور شر مدعی میں متبر ہوں گے اور مسلمانوں کے انتقام میں مصروف ہوں گے۔ اس وقت دجل کا قرن ہو گا۔ دجل مع اپنے نظریے زمین میں فساد پھیلانے کے لئے یوں سے ہو گا کہ کمرہ کا رخ کرے گا مگر کہ کمرہ پر فرشتوں کا چہرہ ہو گا اس لئے دجل مدینہ منورہ کا رہا کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا چہرہ ہو گا۔ اس لئے دجل مدینہ منورہ میں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ چاروں طرف پھر پھر کر شیم واپس آئے گا کہ یحییٰ علیہ السلام مدعی کی جامع سہ

کے شرعی متادہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے جہنم ہوں گے اور اس عین کو قتل فرمائیں گے جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام کے بیان میں آئے گئے۔

۳۔ نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قیامت کی علامت کبریٰ میں سے تیسری علامت قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دہل لعین کو قتل کرنا ہے جو حق اور جھوٹ ہے اور قرآن کریم اور احادیث حوالہ اور ائمہ اہل سنت سے ثابت ہے اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا فرض اور ضروری ہے۔

کالے دہل کا شوق ہو چکا ہو گا اور اہل ممدی دمشق کی پانچ مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ پانچ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی پانچ مسجد کے شرعی متادہ پر آسمان سے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل فرمائیں گے اور نماز سے رافت کے بعد اہل ممدی کی عیبت میں دہل پر چڑھائی کریں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ کافر اس کی تہ نہ لائے گئے کہ اس کے پچھلے سر پر ہاتھ لگے اور دہل حضرت عیسیٰ کو دیکھتے ہی ایسا پھٹنے لگے گئے کہ جیسے ٹھک پانی میں پھسل جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دہل کا تعاقب کریں گے اور باب نہ پر جا کر اس کو اپنے پیادہ سے قتل کریں گے اور اس کا طعن مسلمانوں کو دکھائیں گے بعد ازاں فکر اسلام دہل کے فکر کا مقابلہ کرے گا اور یہودی ہوں گے ان کو خوب قتل کرے گا اور اس طرح زمین دہل اور یہود کے چٹاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔

جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو ہم نے اپنے ذمہ میں قتل کر دیا تھا وہ اب تک آسمان پر زندہ قادر لب آسمان سے ہمارے قتل کے لئے زمین پر اترا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل میں ایک سخت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے چھاننے کے لئے کسی سخت اور صحت کی بنا پر ایک صحنہ مدت کے لئے آسمان پر

اٹھ لیا تھا مگر چونکہ عیسیٰ ابن مریم بنی آدم میں سے ہیں اور کوئی انسان آسمان پر فوت نہیں ہو سکتا فوت اور دفن کا عمل زمین سے۔ پسنا خلقنا کبر و فیهما نعبدکم ورمینا نخیر جبکہ ناراۃ اُخری۔ اس لئے اللہ تعالیٰ رب العالمین کی مدت صحنہ فتح ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کو زمین پر نازل فرمائیں گے مگر چند روز زمین پر رہنے کے بعد زمین پر وقت بائیں اور زمین ہی میں ہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں گے۔

دوسری سخت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو سارا اور جلدو گر تلخ اور ان کے قتل کے در پہ ہونے اور باب دہل لعین ظاہر ہو گا تو اس کا اہتمام کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور چونکہ یہودی مسلمانوں اور جیساہوں کے ہاتھ بیٹہ دلیل اور خوار رہے اس لئے یہودی اس موقع کو قیمت سمجھیں گے اور مسلمانوں سے انعام لینے کی سوچیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سکاکن مریم کو جہنم سے نازل کرنے کا مگر یہودیوں کے سوار دہل لعین کو اس سکاکن مریم کے ہاتھ سے قتل کرانے جس کے حلق یہود کا یہ ذمہ تھا کہ ہم ان کو صلیب پر چڑھا چکے ہیں اور قتل کر چکے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ ہونے اور مصلوب نہ ہونے کے دلائل

دلیل

قرآن پاک میں ہے

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ

(یہودی لوگوں ہوئے یہ سب) ان کے قول کے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو

اسلام کو اللہ تعالیٰ نے مدح و جسم سمیت دنیا سے لور اٹھا لیا یعنی آسمان پر اٹھا لیا اور وہ ابھی تک زندہ ہیں اور قیامت سے پھر دنیا میں اترے جائیں گے۔

اسی بات پر پوری امت اجماع ہے۔ تفسیر جامع البیان میں ہے۔
الاجماع علی انہ حبسی فی السماء وینزل و یقتل الدجال و یؤید الدین

اس پر امت کا اجماع ہے کہ مہینے علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور نازل ہوں گے اور وہیل کو قتل کریں گے اور دین کی مدد کریں گے۔

یہی مضمون قدوسہ تفصیل سے حدیث میں بھی وارد ہے۔

(۱) امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسوع سے فرمایا مہینے علیہ السلام ابھی میں مسرے دو قیامت کے قریب ضرور لوٹ کر آئیں گے۔

(۲) امام ابو ذر اور اپنی مشن میں لور امام احمد بن حنبل اپنی سند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں بائیں علقف ہیں یعنی شریعتیں علقف ہیں جب کہ دین جو کہ اصول شریعت ہیں وہ سب کا ایک ہے۔ لور میں مہینے علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ قریب ہوں اس لئے کہ میرے لور ان کے درمیان کوئی نہیں ہے۔ وہ نازل ہوں گے جب ان کو دیکھو تو پہچان لیا وہ جانتے تھے کہ ان کا رنگ سرخ اور سفیدی کے درمیان ہو گا۔ ان پر وہ رنگ ہونے پڑے ہوں گے۔ سر کی یہ شکن ہوگی کہ گویا پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ اس کو کسی قسم کی تری نہیں ہوگی۔ صلیب کو توڑیں گے بڑے کو اٹھائیں گے سب کو اسلام کی طرف بلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زندہ ہیں سوائے اسلام کے تمام مذاہب کو نیست و بھوکہ دے گا لور اللہ تعالیٰ ان کے زندہ ہیں سب کو قتل کرانے کا حکم فرما کر دے گا۔ ان پر ایسا امن ہو جائے گا۔ مہینے علیہ السلام زندہ ہیں چالیس سال نصری کے پھر وقت پائیں گے لور

صلوات ان کے ہاتھ کی قلابہ میں ہے۔

— دہی یہ تحت وَمَا مَحْضَرُ الرَّسُولِ قَدْ خَلَفَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور میں لور مکر رسول۔ چھینا ان سے پہلے بھی رسول گزرسے۔

علت کا زہر ہے گزر گئے یعنی دسے زندہ سے گزر گئے لور پہلے گئے۔ حضرت مہینے علیہ السلام پر بھی یہ سنی صلیق آتا ہے کیونکہ آپ کو جب آسمان پر اٹھا لیا گیا تو آپ دسے زندہ پر سے گزر گئے لور پہلے گئے۔ اس کا یہ زہر کہتا کہ وقت پائے ہانگ لگا ہے۔ مندرجہ بالا واقعہ اس سے بھی یقینی بات حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے لو کان موسیٰ وعیسیٰ حبیبین (اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام زندہ ہوتے۔۔۔۔۔)

تو میں تشبیہ ہے جی کا جیساکہ کتاب کا تشبیہ کرتی ہیں ہوتا ہے۔ ہر عمل زبان میں یہ بھی طریقہ مستعمل ہے کہ وہ علقف ہیں کو لے کر ان پر ایک کے نام کے تشبیہ کا اطلاق کیا جاتا ہے مثلاً والدہ لور والدہ کو لے کر والدین کہا جاتا ہے مگر والدین صرف والد کے لفظ کا تشبیہ ہے۔ لور مثلاً شخص (سورج) لور قر (چاند) کو لے کر بھی عیسیں کہہ دیتے ہیں لور بھی قرین کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حدیث میں ایک زندہ لور ایک وقت یافتہ کو لے کر تغلیبہا کہا گیا ہے کہ اگر وہ لوں زندہ ہوتے لفظ اس کو حضرت مہینے علیہ السلام کی وقت پر دلیل بتاتا لگا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے

وجہ یہ ہے کہ جب شریعت محمدیہ آئی تو تمام جن لوگ اس پر قیامت تک اس کی متابعت واجب ہوئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی خاتم ہے۔ آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اور تمام شریعتوں سے اعلیٰ ہے۔ لہذا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کا تمام مل اور حکم کتاب و سنت کے موافق ہو گا انجیل پر نہ ہو گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد بھی جی ہوں گے کیونکہ انبیاء کرام اپنی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے جیسے یہ نزول اپنی ہونے کی حیثیت سے نہ ہو گا بلکہ عادل عمران اور شریعت محمدیہ کے مجدد اور خلیع ہونے کی حیثیت سے ہو گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت محمدیہ کا علم کیسے ہو گا؟

اس بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی تصریح تو موجود نہیں ہے البتہ چند ممکنہ صورتیں ہیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نزول سے قبل ہی آسمان پر شریعت محمدیہ کا علم عطا فرما دے گا یا یہ نزول کے بعد پڑیہ وہی کے آپ کو شریعت محمدیہ کا علم ہو گا کتاب و سنت کو دیکھ کر علم ہو جائے گا یا روحانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل ہو جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص ہیں

فقہ مہدی اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں ان سے یہ

امروا روایت کی طرح واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص ہیں۔ لیکن جن صحابہ اور تابعین کے وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی اس کا تاثر نہیں ہوا کہ باطل ہونے والا کچھ اور ظاہر ہونے والا مہدی ایک ہی شخص ہوں گے اس لئے کہ

(۱) حضرت عیسیٰ بن مریم نبی نور و رسول ہیں اور امام مہدی امت محمدیہ کے آخری خلیفہ ہوں گے نبی نہ ہوں گے۔

(۲) حضرت مسیح بن مریم حضرت مریم کے بطن سے بطور باپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے نبی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور امام مہدی قیامت کے قریب مدت منورہ میں پیدا ہوں گے وہ کام عہد لغت اور وہ کام کام تہہ ہو گا۔

(۳) حضرت عیسیٰ نبی اسرائیل میں سے ہیں اور امام مہدی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم جس سے کوئی مہدی مکر عیسیٰ بن مریم اس روایت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ اولیٰ تو یہ روایت محمد بن زید ضعیف اور غیر مستند ہے جیسا کہ محقق ابن حجر نے فتح الباری ص ۳۵۸ ج ۱ میں اس کی تصریح کی ہے۔

۲۔ کہ یہ روایت ان سے شمار احادیث مجہولہ اور حواتہ کے خلاف ہے جن سے حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کا دو شخص ہونا ظاہر ہے اور حواتہ کے مقابلہ میں ضعیف اور منکر روایت مستحسن نہیں۔

۳۔ کہ اگر اس روایت کو تھوڑی دیر کے لئے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیا

ہائے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت حضرت یحییٰ بن مریم سے بڑھ کر کوئی شخص پراست یافتہ نہ ہو گا اس لئے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اگرچہ نزل کے بعد آپ کی شریعت کے تبلیغ ہوں گے مگر نبی اور رسول ہوں گے اور امام مدنی آپ کی امت کے آخری فلیقہ راشد ہوں گے نبی نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ غیر نبی کی پراست نبی اور رسول کی پراست سے اکمل اور افضل میں ہو سکتی اس لئے کہ نبی کی پراست مصمم عن الفاظ ہوئی ہے اور حضرت انبیاء کا عصر ہے حدیث میں ہے لا فنی الا علی یعنی کوئی جو ان شہادت میں ملے کے برابر نہیں اور یہ معنی میں کہ دنیا میں سوائے ملے کے کوئی جو ان میں اس طرح لامدی فاضلی بن مریم کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی مدنی اور کوئی پراست یافتہ حضرت نور طو حرات میں یحییٰ بن مریم کے برابر نہیں کذا فی العرف النور فی الامام السبوطی (ص ۸۵ ج ۲) وقال المناوی۔ اخبار المہدی لا یعار ضہا خیر لا مہدی الا عیسیٰ بن مریم لان المراد به کما قال القرطبی لا مہدی کاملا مصصوما الا عیسیٰ کذا فی فیض القدير (ص ۲۷۵ ج ۲)

۳۔ خروج یاجوج و ماجوج

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نزل اور وہاں کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مدنی انتقال فرما جائیں گے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان نماز جتان پراستیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہو گا اور وہیں مدفون ہوں گے اس وقت امام مدنی کی عمر پینتیس یا اڑتیس یا اچاس (۳۸) سال ہوگی۔ امام مدنی کی وفات کے بعد تمام ائمہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گا اور زائد نہایت سکون اور راحت سے مگر رہا ہو گا کہ تکلیف دی جائے ہوگی کہ اسے یحییٰ تم میرے بدلہ کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ۔ میں اب ایک ایسی قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ کسی کو لڑائی کی طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج و ماجوج کی قوم ہے جو اٹھ بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں

سے ہے۔ شہداء القریٰ میں دے پائادوں کے درمیان ایک نہایت مضحکہ آرائی اور قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا قیامت کے قریب وہ دوجا نوبت ہائے گی اور یہ عمارت مگر قوم مذکورہ کی طرف ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلانے کی جس کاقت قرآن کریم میں مذکور ہے اس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام خاص اہل ایمان کو لے کر کہ طوری کی طرف چلے جائیں گے اور بارگاہِ غدوئی میں یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے جب کہ اپنی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے فتنہ ان کو طاقت کی وہاں سے ہلاک کرے گا اور اس کا دور اس جہاں سے سب مر جائیں گے بعد ازاں اللہ تعالیٰ اپنی مگردان وائے پراستے پیچھے گا اور بعض کو تو کھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے اور ہر ایک عظیم بارش ہوگی جس کے سبب ان مگردانوں کی حرکت اور بدو سے نہایت بڑے گی۔ اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گزرے گی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ۳۵ سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قطعی شخص کو اپنا فلیقہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام جہجہاد ہو گا۔ خوب اچھی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی ساتھ شرور فساد کا پھیلنا بھی شروع ہو جائے گا۔

۴۔ خروج دغان یعنی دھوئیں کا ظاہر ہونا

جہجہاد کے بعد نور چہ پراست ہوں گے اور کثرت اور فساد شرور فساد پھیلنا شروع ہو گا۔ یہاں تک کہ ایک مکان طرف میں نور ایک مکان مشرق میں جلی مگرین تقدیر رہتے ہوں گے وہ دھن ہائے گا اور انش دوں آسمان سے ایک بہت بڑا دھوئیں ظاہر ہو گا اور آسمان سے لے کر زمین تک تمام جہاں کو گھیر لے گا جس سے لوگوں کا دم بھنے لگے گا وہ دھوئیں چائیں دن تک رہے گا مسلمانوں کو ظالم سامطوں ہو گا اور کافروں سے بے ہوشی طاری ہو جائے گی کسی کو وہ دن میں نور کسی کو تین دن میں دھن سے کہ قرآن کریم میں اس دغان کا ذکر ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ
الْبَئِيسُ

پس آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف سے ایک دھواں نمودار ہو گا
اور جو اللہ بن مسعود پہ فرماتے ہیں کہ یہ دھان کی علامت گزر چکی ہے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس دن میں ایک تخت لگا پڑا تھا جس سے کفار زمین
پر دھواں دیکھتے تھے۔

۶۔ مغرب سے طلوع آفتاب

قیامت کی علامت کہہ رہی ہیں سے ایک بڑی علامت۔ آفتاب کا مغرب کی جانب
سے طلوع ہونا ہے اور اس آیت شریفہ:

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ السَّمَاءُ بَازِلًا وَأَنْ يَتَذَكَّرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَرْجِعُوا
آيَاتِ رَبِّكَ

کیا لوگ ایسا نہ دیکھیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود جبرائیل
رب آئے یا خدا کی نیکوئی میں سے کوئی بڑی نشانی آئے۔

اس آیت میں بعض آیات ربک سے آفتاب کا چاہے مغرب سے طلوع ہونا مراد
ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس رات کی صبح کو آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ

رات اٹھتے دروازے ہو گی۔ یہاں تک کہ بچے چلا آئیں گے اور مسافر گھول ہو جائیں
گے کہ کوئی امر عظیم اور عظیم ظاہر ہونے والا ہے۔ لہذا دیکھو اور انتظار میں

رہو۔ جو مصروف ہو جائیں گے۔ اسے میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا
مگر اس میں دشمنی نہ ہو گی جیسے گمن کے وقت ہوتا ہے۔ اس قسم کا ہے اور ہو گا اور

لگا بند ہو کر جتنا کہ چاہتے کے وقت ہوتا ہے پھر غروب ہو جائے گا اور پھر اپنی قدیم
علامت کے مطابق مشرق سے نکلا رہے گا کہ وہ لوگ اس علامت کا مشاہدہ کر لیں گے۔

اس عظیم الشان نشان کے بعد نہ کسی کفار کا ایمان مستحکم ہو گا اور نہ کسی کفار مسلمان کی

قرب۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

يَوْمَ يَأْتِيَنَّ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ
مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اٰمَانِهَا خَيْرًا

جس دن میں جسے رب کی ایک خاص نشانی آئے گی یعنی آفتاب کا مغرب سے
طلوع ہو جائے گا تو اس دن کسی شخص کو ایمان لانے سے نہ دے گا کہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو
اور نہ اس شخص کو قرب لانے سے کہ جس نے پہلے سے قرب نہ کی۔

بخاری اور مسلم اور دیگر محدثین جہم میں تصریح ہے کہ بعض آیات ربک سے
آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع کرنا مراد ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نکتہ: جس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ وقت اس قلم عالم کے نزع اور
جہن کی کے شروع ہو جانے کا وقت ہو گا۔ سو پھر گئے کے بعد قلم عالم کی پوری جہن

نکل جائے گی اور جس طرح نزع اور جہن کی کے وقت ایمان اور قرب مستحق ہیں اسی
طرح مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کے بعد کسی کا ایمان اور قرب قبول نہ ہو گی کیونکہ

پوری دنیا کی نزع اور جہن کی کے شروع ہو گئی ہے اور وہ آخرت اب تک ٹھہر چکی
ہے وہ محسوس اور مشاہدہ ہو گئی اور ایمان وہی مستحکم ہے یا غلط ہو۔ مشاہدہ کے بعد

ایمان مستحکم نہیں۔

حق جل شانہ جب اس حکام کو درجہ برہم کرنے کا ارادہ فرماتے گا تو اس کی ابتدا
اس عظیم الشان نشان سے ہو گی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کا حکم اب اتنا کو پہنچ

چکا ہے اور قیامت کے بارے میں انبیاء کرام نے نقل خدا کو جو خدا کا حکم پہنچا تھا وہ
سب بجا اور درست ہے اور وہ خیراں آگاہوں کے سامنے آگئی ہے۔

قرآن کریم کی صرف وہی سورتوں کو پڑھ لیجئے۔ اِذَا السَّمَاءُ اَنْفَقَتْ اٰثَرُ
اٰخِرِ السُّورَةِ اِذَا السَّمَاءُ كُوِّنَتْ لَوَاقِحُ السَّجُودِ اَنْ تَكْفُرَتْ جِسْمِ مِنْ اِس

امر کی پوری تکمیل ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی تو آسمان اور زمین کا حکام پہنچ اور
زلیل اور خس و فرفر اور نجوم و کواکب کا قلم حکام حسی اور عقلی درجہ برہم ہو جائے

۷۔ وابت الارض کا لکھنا

قیامت کی ایک بڑی نشانی زمین سے وابت الارض کا لکھنا ہے۔ جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ مِمَّا نَبَاتِ الْأَرْضِ مَا لَمْ يَرْجُوا تَلَكُمُ النَّاسُ كَأَنَّهُمْ يَأْبِغُونَ

اور جب قیامت کا وہاں پر آگے کا وقت قہر الوقوع ہو جائے گا تو اس وقت ہم لوگوں کی جہت کے لئے زمین سے ایک عجیب و غریب پھل نکالیں گے جو لوگوں سے ہائیں کہے گا اور کہے گا کہ اب قیامت قہر آگئی ہے یہ پھل ہم زمین سے اس لئے نکالیں گے کہ لوگ ہماری نیکیاں کا پھل نہیں کرتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اسی دن آگ لگے گا یہ عجیب الحقت پھل زمین سے نکلے گا کہ کریمہ کا ایک پھاڑ جس کو کہہ سکتے ہیں وہ پھلے گا اس میں اسے ایک عجیب الحقت پھل نکلے گا اور لوگوں سے کام کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کے بچہ کو چمڑے سے نکالا تھا اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قہر زمین سے ایک پھل نکالیں گے جو لوگوں سے کام کرے گا اور قیامت کی خبر دے گا۔ سو سنیں کہ چلوں پر ایک درولی نکلی لگے گا جس سے موسیٰ کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مر لگے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور حسب ارشاد ہادی۔
وَأَعْيَاظُوا الْيَتَامَى الْمُخْرِفُونَ۔ مسلم اور بھرم کا امتیاز اس طرح شہد ہو جائے گا اور پورا امتیاز حسب و کتاب کے بعد ہو گا۔

۸۔ عسکری ہوا کا چلنا

وابت الارض کے نکلنے کے بعد عسکری ہوا ایک عسکری ہوا چلے گی جس سے تمام

اہل النحل اور اہل غیر مر جائیں گے یہی تک کہ اگر کوئی موسیٰ کسی غار یا پہاڑ میں چھپا ہوا ہو گا تو وہیں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ غصا اس ہوا سے مر جائے گا ایک لوگ سب مر جائیں گے اور انکی اور ہادی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ (ردالمحتار)

۹۔ قلب جہش

ہند اڑی جہش کے کافروں کا قلب ہو گا اور زمین پر ان کی سلطنت ہو گی۔ علم اور لد عام ہو گا یہ قری اور بے حیالی حکم نکلا ہو گی چاروں کی طرح لوگ سڑکوں پر غلغلہ کریں گے صحت میں ہے۔

لا یستخرج کثر الکعبہ الا ذوالسویقین من الحبشہ
غلام کعبہ کے (ہام مدنی علیہ السلام کے بعد حج ہوئے واسطے) غلام کو چھوٹی پٹلیوں والا جہش کا رہنے والا لکھے گا۔ (ردالمحتار)

۱۰۔ آگ کا لکھنا

قیامت کی آفریں نکلی یہ ہے کہ وسط ہوا سے ایک آگ نکلے گی جس کی مدد سے شہر تک پہنچے گی یہ آگ لوگوں کو بغیر کراڑی طرف لے گی یعنی تک شہر کی طرف لے لے گی جہاں سے اس کے بعد عسکری ہوا چلے گی اس وقت یہاں ہو گی جب شام کا وقت ہو گا اور لوگ غصہ ہائیں گے تو یہ آگ بھی غصہ ہائیں گے اور جب صبح ہو گی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو بھٹکے گی جب لوگ تک شہر میں نکلی ہائیں گے تو یہ آگ غصہ ہو جائے گی۔

حج مسلم میں صفحہ بن امیہ غازی سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی دس علامتیں بیان فرمیں ان میں سے آفریں طاعت ہے۔

نار تخرج من البینین نظرد الناس الی محشر ہب

ایک آگ جس سے لگے گی اور لوگوں کو ارض محشر یعنی سر زمین شام کی طرف

دوسرا باب

قبر میں عذاب و راحت اور فرشتوں کا سوال کرنا حق ہے

۱۔ سورہ مؤمن میں ہے۔

فَوَقَّعَ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا تَحْكُمُوا وَخَافُوا بِأَلِّ يُمْرَعُونَ سُوءَ الْعَذَابِ ۝
الَّذِينَ يُتِمُّونَ صَلَاتَهُمْ وَحَدِّثُوهَا رُغْوَةً وَأَقْرَبُ مَقَامًا ۝
يُزَكِّيهِمْ أَشَدَّ الْعَذَابِ

پھر خدا تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی تھکوں سے محفوظ رکھا اور (فرعون
داعی) پر (یعنی فرعون کے) سوزی عذاب نازل ہوا (جس کا بیان یہ ہے) کہ وہ لوگ
(ناراض) میں (یعنی شام آگ پر) فیل کے جلتے ہیں (یعنی جلتے جلتے ہیں) اور جس
روز قیامت قائم ہوگی (جس کا حکم ہو گا کہ) فرعون داعی کو (یعنی فرعون کے) لعنت سخت
عذاب میں داخل کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے بھی فرعون اور اس کے
لوگوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ یہی قبر کا اور برزخ کا عذاب ہے۔

۲۔ سورہ فوج میں ہے۔

رَمَقًا خَاطِبُهُمْ أَفْرِقُوا فَأَذْخَلُوا نَارًا

لہذا کہیں کے سب وہ (یعنی حضرت فوج علیہ السلام کے لوگ) فرق کئے گئے
پھر آگ میں داخل کئے گئے۔

ان لوگوں کا قیامت سے پہلے آگ میں داخلہ سے عذاب برزخ اور قبر کی آگ میں
داخلہ ہے جس کے یہ دلائل ہیں۔

۱۔ فاذخلوا میں حرف فاء ہر لفظ آگ کے متصل بعد پر دلالت کرتی ہے اور

بنا کر لے جاتے ہیں۔

اس کے بعد کچھ حور لعنت میں و آرام سے مزدے کا نعرہ دیتے رہتی ہیں
جس کے لیے اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ اس وقت قیامت قائم ہو
گی اور اسرائیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہو گا۔

تفسیر: ۱۔ انکرا احدث میں عروج نہ کر قیامت کی آخری تفتی تلو کیا ہے لیکن صحیح
تفہار کی ایک روایت میں ہے کہ کوئل تفتی قیامت کی وہ آگ ہو گی جو لوگوں کو شرق
سے مغرب کی طرف لگانے کی ان دونوں روایتوں میں حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ مباحث
کے اعتبار سے یہ آخری تفتی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ اس علامت کے عروج کے
بعد اب دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہے گا بلکہ اس کے بعد متصل نزع صور واقع ہو گا۔ اس
کوئل تفتی کا کیمپ پہلے تک قیامت کی دس بڑی مباحث کا بیان ختم ہوا ہے احدث
محمد سے ثابت ہیں اور ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

مقبب یہ ہوا کہ آگ میں داخل فرق ہونے کے شعل ہر ہول
بہ ادخلوا فی النار کا لفظ ہے جو اس پر پھیل ہے کہ آگ میں داخل ہو چکا

ہے۔

سہ قبر میں طراب و راحت اور فرشتوں کے سوال کے بارے میں احادیث متواتر
ہیں اور کثیر صحابہ سے منقول ہیں۔ مثلاً حضرت عمر بن الخطابؓ، جن بن عثمانؓ، زید بن
حارثہؓ، انس بن مالکؓ، براء بن عازبؓ، جیم داریؓ، ثوبانؓ، جابر بن عبد اللہؓ، عذیرہؓ، عمارہؓ
بن صامتؓ، عبد اللہ بن رواحہؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ،
عمرو بن العاصؓ، سعید بن جبلیؓ، ابو لہبؓ، ابو الدرداءؓ، ابو ہریرہؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہا
پران سے بے شمار لوگوں نے روایت کی۔

چند ایک احادیث یہ ہیں۔

۱۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا
وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالہم اناء ملکان
فیقعناہ فیقولان ما کنْتَ تقول فی هذا الرجل لمحمد فاما المؤمن
فیقول اشہد انہ عبد اللہ و رسولہ فیقال لہ انظر الی مقعدک من النار
قد اہلک اللہ بہ مقعدنا من الجنة فیراہما جمیعاً واما المنافق و
الکافر فیقال لہ ما کنْتَ تقول فی هذا الرجل فیقول لا ادری کنت
اقول ما یقول الناس فیقال لہ لا دریت ولا لیت و یضرب بمطارق
من حديد ضربہ فیصبح صبحہ یسمعہا من ینبہہ غیر الثقلین (بخاری
و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ جب بدست کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے
ساتھی اس سے پھر جاتے ہیں تو ان کی جڑوں کی چاپ سنا ہے اس کے پاس بد فرشتے
آتے ہیں (ایک اور حدیث میں ان کا نام عکر اور کیر ذکر ہے) جو اس کو بھانپتے ہیں

اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تم ان صاحب یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا
کہتے تھے جو مومن ہوتا ہے وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں کوئی دینا ہوں کہ یہ اللہ
کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس سے کہا جائے گا تو اپنے جہنم کے ٹکڑے کو دیکھ
جس کو اللہ نے جنت کے ٹکڑے سے بدل دیا ہے۔ وہ مومن دونوں ٹکڑوں کو دیکھے
گاہ اور جو کافر اور منافق ہوتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے تو ان صاحب کے بارے میں
کیا کہتا تھا تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا
تھا۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ تو نے عقل سے کام لیا اور نہ ہی عقل و دلیل کو اختیار کیا
اور اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے جس سے وہ بچ رہتا ہے جو سوائے
انہوں اور جنوں کے کسی پاس موجود چاقور بنتے ہیں۔

۲۔ عن زید بن ثابت قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فی حائط لابی النجار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذا حادوت بہ فکاوت
ننقبہ و اذا اقبلر سنۃ او خمسة فقال من یعرف اصحاب ہذہ الاقر
قال رجل انا قال ففتنی ما تروا قال فی الشریک فقال ان ہذہ الامۃ تنبلی
فی قبورہا فقولوا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب
القبر الذی اسمع منہ (مسلم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دوران کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم جو نماز کے باغ میں اپنے چچرے سوار تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے کہ
انہماک آپ کا چچرہ کا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دے۔ چنانچہ سامنے ہانچا یا چھ
قبریں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ان قبر والوں سے کون واقف ہے۔
ایک شخص نے جواب دیا کہ میں (واقف ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ
ان کی وقت کب ہوئی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا کہ (نہیں) شرک میں۔ اس پر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی ان کی قبروں میں اتنا شوق کی جاتی
ہے اور اگر مجھے نہ ہو کہ تم لوگ مردوں کو دفن کرتا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے

دعا کرنا کہ جو عذاب قبر میں رہا ہوں اللہ وہ تم کو بھی عذاب دے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بفریقین فقال لہما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدهما فکان لا یستبری من البول واما الآخر فکان یعشی بالتیمیم الخ (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قبر میں پر گذر ہوا تو فرمایا ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کو بڑی مشکل گزار رہا ہے عذاب میں دیا جا رہا ہے (ان سے پرہیز مشکل ہو) ایک تو پھل (کی جینوں) سے نہیں چٹا تھا اور دوسرا پھل لگا تھا۔

تفسیر ۱: فرشتوں کے سوال اور عذاب و راحت کے سلسلہ میں جب قبر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں میت دفن ہو یا اس کے اجزاء مورتوں میں خولہ وہ اجزاء اکٹھے ہوں یا شقی ہوں اور خواہ اپنی اصلی شکل میں ہوں یا (مثلاً) ہل کر کسی اور شکل میں تبدیل ہو گئے ہوں اور خولہ وہ شقی میں ہوں یا پانی میں ہوں یا کسی درخت سے کہ جہت میں ہوں اور خولہ میت کے تمام اجزاء ہوں یا صرف ایک علیہ (Cell) ہی ہو۔

تفسیر ۲: آدمی کے مرتے کے بعد اس کی روح کو اس کے لہکے اور مستقر میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہیں ہوتے ہوئے روح کا تعلق اپنے ہڈی جسم یا اس کے اجزاء کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے جس کی بنا پر مرنے یا اس کے اجزاء ہلکے ایک ہی علیہ (اگر فقط وہی ہو) عذاب و راحت کے جو حالات گزرتے ہیں روح ان کو محسوس کرتی ہے۔

تفسیر ۳: ہم ایک ہڈی اور حسی عالم میں رہ رہے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہمیں تمام عذاب کا تجربہ ہے جو ہڈی میں ہے۔ آدمی پر عذاب خواب میں بہت سے

حالات گزرتے ہیں لیکن پاس بیٹھے ہوئے بیدار محسوس کو اس کا کچھ علم نہیں ہوتا اور وہ ان کو محسوس نہیں کرتے اسی طرح ہمارے اس ہڈی و حسی عالم سے مختلف ایک اور عالم ہے جو عالم برزخ کہلاتا ہے۔ جیسے سوچا ہوا محسوس ہوا کہ اس کا جسم عالم ہڈی میں ہوتا ہے عالم خواب میں چلا جاتا ہے اسی طرح وقت پانے والا محسوس ہوا اور اس کے کہ جسم کے اجزاء عالم ہڈی میں ہوتے ہیں عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے جیسے سوئے ہوئے محسوس کا جسم ہمارے سامنے ہوتا ہے لیکن عالم خواب میں اس پر گزرتے والے حالات کو ہم محسوس دیکھ سکتے اسی طرح میت کا جسم ہمارے سامنے ہوتا ہے لیکن عالم برزخ میں اس پر گزرتے والے حالات کو ہم محسوس نہیں کر سکتے اور دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی پر عالم برزخ کو کشف فرمادیں تو وہ محسوس عالم برزخ کے حالات کو دیکھ لے گا جیسا کہ عذاب قبر کی وجہ سے میت کی پچا چاندی کو سناوا دی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر میت کے اجزاء اور کسی نئے عذاب کے پختہ اور جسم میں ہوں اور میت پر عذاب ہو تو چاندی پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تفسیر ۴: بعض موروں کو اپنے جسم یا اس کے اجزاء کے علاوہ برزخی جسم بھی دیکھ پاتے ہیں اور ان پر عذاب و راحت کے حالات گزرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اپنے مستقر میں رہتے ہوئے روح کا تعلق دونوں جسموں سے قائم کر دیا جاتا ہے۔

عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتیت لیلۃ اسری بی علی قوم یعطونہم کالبیوت فیہا الحیات نری من خارج یعطونہم فقلت من ہولاء یا جبرئیل قال ہولاء اکلۃ الریاء رواہ احمد و ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۲۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میرا کر کے اپنے لوگوں پر ہوا جن کے پختہ کھوں کی طرح (پھولے ہوئے) تھے اور ان میں سے آپ تھے جو باہر سے نفرت رہتے تھے۔ میں نے پوچھا اسے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں

نے جواب دیا کہ یہ سو غور کرو۔

تفسیر ۵: حدیث میں ہے کہ اگر قبر کے طباب کو چاور سنتے ہیں تو اس پر بعض لوگوں کو یہ اٹھال ہوتا ہے کہ حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مجروح ہوا تھا لیکن ہم کسی چاور کو کافروں کے قبرستان میں بھی بدکتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں فقط اتنا ہے کہ چاور اس کو سنتے ہیں جب کہ یہ ہو سکتا ہے کہ چچ پکار کی جگہ آواز میں تک پہنچا ہو جس سے ان کے معمولات میں کچھ فرق نہیں آتا چچ پکار کی چوری شدت ان تک بھی نہ پہنچا جاتی ہو۔ اور حدیث کے واقعہ میں قیام است کی فرض سے چاور پر چچ پکار کی اصل شدت ایک تن کے لئے ظاہر نہ دی گئی ہو جس سے وہ بدک گیا ہو۔

گیارہویں باب

عقائد متعلقہ عالم آخرت

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنے والا ہے اس دن اسرائیل علیہ السلام حکم خداوندی صور پھونکیں گے جس سے تمام عالم ٹاٹا ہو جائے گا آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے گر جائیں گے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور دریا دریا ہو جائیں گے۔ صور بھی گے ہائے ایک چیز ہے جس کو اسرائیل علیہ السلام اپنے منہ سے لگا کر بجائیں گے جس کی آواز اس درجہ شدید ہوگی کہ اس کی شدت سے عالم کی ہر چیز ٹاٹا ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ صور پھونکیں گے جس سے تمام مومنین اٹھیں گے باقی مرتبہ صور پھونکنے کا ہم نفعہ اولیٰ ہے اور اس کو نفعہ ثانیٰ بھی کہتے ہیں اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے کا ہم نفعہ ثانیٰ ہے اور اس کو نفعہ ثانیہ بھی کہتے ہیں اور دونوں نفعہوں کی درمیان مدت چالیس سال یا چالیس دن ہوگی۔ نفعہ اولیٰ سے لے کر جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک کے سارے لئے کو قیامت کہتے ہیں۔

قیامت کا آغاز نفعہ اولیٰ سے ہو گا جس سے تمام عالم ٹٹا اور پہاڑ ہو جائے گا تمام پہاڑ اور مرتبیں گے کما قال تعالیٰ

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ فَفُزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمان و زمین والے گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَيُنْفِخُ فِي الصُّورِ فَتَصِيْقُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
شَاءَ اللّٰهُ

اور قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا۔

پچاس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا دفعہ مردوں کو قبروں سے زندہ کرنے کے لئے ہو گا جیسا کہ اسی آیت میں ہے۔

ثُمَّ نَفِخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِنَّا هُمْ قِيَامٌ مُّنتَظَرُونَ۔

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دوسرا دفعہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔

وَنُفِخُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ۔

اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ قبروں سے نکل کر خدا کی طرف دوڑیں گے۔

قیامت کا آغاز کس طرح ہو گا

بائبل میں عالم اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے اور دوسرے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا ہی نہ رہے گا اور بعد کاروں ہو گا اور عرم الخمر کی دوسری تاریخ روز عاشورہ ہو گا کہ نیکو علی الصبح لوگوں کے کلاں میں ایک چارک تراز آتا شروع ہو گی اور بدعتی جائے گی۔ یہاں تک کہ تمام لوگ مر جائیں گے اور دوسری بے ہوش ہو جائیں گی اور زمین و آسمان پست ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مومنین زندہ ہو جائیں گے۔

قیامت برحق ہے

جس خدا نے اپنی قدرت سے اس عالم کو عدم مصل سے نکل کر وجود عطا فرمایا اور پھر اسے دوبارہ دوبارہ جس اس عالم کو فنا کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ۔

وہی مگر پہلے بناتا ہے اور پھر وہی دوبارہ بنائے گا اور اللہ اہل ایمان سے بہت آسان ہے۔

وَقُلْ قُلُوبُكُمْ لَا يَدْرَأُ أَوَّلَ خَلْقٍ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَعِندَ عَلَيْنَا أَنَا كُنَّا فَارِغِينَ۔

جس طرح ہم نے اس عالم کو پہلے بنا دیا تھا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ ہمارے لئے ضرور ہے ہم ضرور اس کو کریں گے۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔

اور تحقیق قیامت جیسا کہ آئے والی ہے اس میں شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے۔

دلائل بعث بعد الموت

قرآن کریم میں بعثت قیامت کے دلائل بہت ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

(۱) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَكُن لَّهُ يَئُسٌ يُخْلَقُ يَوْمَ يُنْفَخُ الْبُغَارُ يُنْفِخُ فِي سُرٍّ مَّطْلُوبٍ۔ یہ ہے کہ جو خدا زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا تو کیا وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہ ہو گا۔

(۲) ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ یعنی کافر کہتے ہیں کہ ہڈیاں ہڈیاں کو کون زندہ کرے گا اسے ظاہر ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ جس ذات نے ان کو پہلے مرتبہ پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(۳) اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔ يٰۤأَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَا نَسَبًا مِّن قَبْلُ ثُمَّ نَفَخْنَا فِيهِ مِنْ طِينٍ۔ اسے لوگو اگر تم کو دوبارہ زندہ ہونے

میں لک اور ترو ہے تو اپنی پیدائش میں نور کو نہ۔ حقیق ہم نے تم کو اول مٹی سے
پھر لطف سے پیدا کیا اس سے تم خدا کی قدرت کا ابرار ہو چاہتے تھے۔

(۴) نور ایک جگہ حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال
کیا رَبِّ اٰیٰتِنِیْ کَیْفَ تُخْرِیْ التَّوْنٰی اِسے میرے پروردگار مجھ کو دکھا دیجئے کہ
آپ قیامت کے دن کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے
ہندوں کو لے کر ان کا قید کر دے اور ان ٹکڑوں کو پھاڑاں پر تقسیم کر دے اور ان
کے اجزاء کو غلط طور پر دے اور پھر ان کو بڑا وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے جیسے پاں
چلے آئیں گے اور ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہو کر پہلی صورت پر نمودار ہو
جائیں گے اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ان کے حلقہ اجزاء کو جمع کر کے پہلی
صورت پر اس کو زندہ کر دے گا۔

(۵) نور ایک جگہ حضرت عزرا کا کیا کسی نور نبی کا قصہ بیان فرمایا ان کو یہی شوق
ہوا کہ مرے کے بعد زندہ ہونے کی کیفیت دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو برسوں تک
مارے دکھا کر ان کا جسم صحیح سالم رہا اور خدا کی قدرت سے اس میں کوئی تحیر نہ ہوا مگر
ان کی حواری کا کہ حاکم کر رہا وہ یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مے کو ان کے دہرہ
زندہ کیا اور قیامت کے دن حلقوں کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھا دیا اور بتا دیا کہ موت
اور حیات ہر وقت تھاری قدرت میں ہے۔

(۶) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اصحاب کف کا قصہ ذکر کیا کہ تمہیں سو
سال کی فتنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بیدار کیا تاکہ انھوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ
نے مردوں کے زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی
شبہ نہیں۔ وَكَذٰلِكَ اَعْتَرٰنَا عَلٰی سَمْعِنَا لِنَبْلُوْهُمْ اَنۡ وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا وَّاَنَّ السَّاعَةَ
لَا رَیْبَ فِیْہَا۔ اس نذر میں بے حد بعد الموت کے حلقے بڑا جھگڑا کوئی قائل نہ
ہو کر کوئی مقرر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا دیا کہ جو خدا میں سو سال کی
فتنہ کے بعد چکے پے تھار ہے وہ صد سال کی موت کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر

ہے۔ فرض یہ کہ جو لوگ بے حد بعد الموت کے منکر ہیں ان کے رد کے لئے حق تعالیٰ
نے دلائل بھی بیان فرمائے اور واقعت بھی ذکر کئے تاکہ منکرین معاذ پر اللہ کی ہمت
پوری ہو جائے۔

ابطال عقیدہ تناسخ

برہمن اور ہندو مت کے ہندو بھی بے حد بعد الموت کے منکر ہیں مگر برہمنوں اور
ہندوؤں کا مذہب عجیب ہے برہمن اور ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز نہیں
بلکہ مرے کے بعد دوسری حلقہ جسموں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ نیک لوگوں کی
دوسری حلقہ جسموں میں منتقل ہوتی ہیں اور بد لوگوں کی دوسری حلقہ جسموں میں سورہ
کدھے وغیرہ کے قالب میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور روح کا اس طرح حلقہ جسموں
میں منتقل ہونے کا نام تناسخ ہے۔

اہل اسلام کہتے ہیں کہ عقیدہ تناسخ باطل صحت اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ
ایزا اور سزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کو سزا دی جا رہی ہے اس کو اس بات کا
علم ہونا چاہئے کہ یہ اس کے گناہ جرم کی سزا ہے مگر دوسرے جن میں تھے واسطے کہ
اس کا مطلق علم نہیں ہو تاکہ اس میں اس بدن میں کسی گناہ کی وجہ سے کیا ہو۔ سب کو
معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص مہاساں کسی شخص میں رہے گا تو دوسرے شخص میں تناسخ
کر اس کو پہلے شر کے اکثر واقعات یاد رہتے ہیں اور لوگوں کو سناتا ہے۔ پس اگر
ہندوؤں کے بتوں آدمی اس سے پہلے دیا میں پتا رہا وہ کہتے ہیں تو کیا جب ہے کہ وہ
پہلے آکر اس جہنم کے کسی مٹی کی خبر نہیں دیتے۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی
اس دیا میں نہیں آئے تھیں۔ یہی تہہ دیا میں پہلی تہہ ہے مرے کے بعد تیسرا بدن
تیسری دہائی کر دیا جائے گا اور تیسری روح کا اصل مقصد تو سداۃ العنہی ہو گا۔
جیسے لوگ اور اس حالت میں تیسری روح کا ایک گونہ حلقہ تیسرے اس جسم سے

گئے تو حضرت آدم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی درخواست کریں گے کہ خدایک
کافیست اور حلیہ و کتاب ہو جائے اور یہ سمجھتے تھے کہ حضرت آدم حضرت نوح
کی طرف بھیجیں گے اور نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور حضرت
ابراہیم حضرت موسیٰ کی طرف اور حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ کی طرف روانہ کریں گے
اس وقت حضرت عیسیٰ یہ فرمائیں گے۔

ان محمداً خاتم النبیین قد حضر اليوم
 محمد مصطفی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج تشریف لے رہے ہیں۔
 ان سے ملاقات کی درخواست کرو۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام خلائق کو لے کر آقصرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے اور خلائق کو اس دن کی گری اور تپش سے نجات دلائیں گے۔ اس شفاعت کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور شفاعت کبریٰ کے مقام میں کھڑے ہونے کا نام مقام حمود ہے۔ کَلَّامٌ قَالَتْ عِیْسٰی اَنْ یَّفِیْکَ رَبِّکَ فَمَآ تَحْمَدُوْهُ وَاَسْوَ فِیْغِیْکَ رَبِّکَ فَمَآ تَحْمَدُوْهُ

ہمارے اعمال کی تقسیم

مضمر کی شفاعت کے بعد خالق کو چاہئے اہل اس طرف نصیب ہوں گے کہ ہر ایک کا ہر اہل از کہ اس کے دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ میں کبھی جائے گا اور پھر ہر ایک کو اپنے ہر اہل دینے کا حکم ہو گا۔

افرا كُنَّا بَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَذَابًا حَسْبًا.

آج اپنا عمر اعلیٰ خود پڑھ لے حیرا نفسی خود کافی محاسب ہے۔

تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نے جو کچھ دنیا میں کیا تھا وہ سب نکسا ہوا

رہے گا پھر قیامت کے دن تم کو پہلی صورت اور حالت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

عقیدہ و وزن اعمال

قیامت کے دن اہل کاہل ہوتا ہے جن کے اور اہل کے ٹولنے کے لئے میزبان اہل دشمن خزانہ کا رکنا پڑتا بھی حق ہے جس کی نیکیوں کا پلہ ہماری ہو گا وہ اس کی نجات کی علامت ہوگی اور جس کا پلہ ہلکا ہو گا یہ اس کے شمار اور نقصان کا نشان ہو گا اور حساب کئے ہوئے اہل پر اعداد اور ہزاروں یعنی ہاتھ غور کریں ان کا شکر و دعا ہم نے یہ کیا قلم ہے یہ بھی حق ہے اور اہل جہنم کا تکیوں کے دائرے ہاتھ میں اترنا اور بدوں کے ہاتھ میں اترنا حق ہے۔

اور میزان اعلیٰ مشیت“ ترازو ہوگی۔ اس کے دو پلوس اور زبان ہوگی اور ایک
چتر اورانی ہوگا جس میں حقیقت تہیں گی اور دوسرا عقلی جس میں سہولت تہیں گی اور
مشیت“ وزن ہوگا۔ باقی اس ترازو کی حقیقت اور اس کے وزن کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی
کو معلوم ہے اور ایمان لانے کے لئے اظہار عقلی کافی ہے۔

شفاقت کبریٰ

نفعہ جاریہ کے بعد اللہ تعالیٰ تمام حقوق کو صاحب اور چوٹی کے مقام میں بخیر کرے گا اس موقف کا نام ساہرو ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ۔ قَوْلًا هُوَ بِالشَّاهِرَةِ سَاهِرًا لَعَلَّكَ فِي سَعْيِكَ مِّنَ الشَّاهِرَةِ تَرْجُو جَزَاءً مِّنَ رَبِّكَ فَكَأَنَّكَ تَكُنُ تَخْتَلِفُ أَلْفَ مَرَّةٍ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ وَكَأَنَّكَ تَكُنُ تَخْتَلِفُ أَلْفَ مَرَّةٍ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

آج میرے سامنے موجود ہے۔

نامائے اہل کے پڑھنے کے بعد محاسبہ شروع ہو گا

جب ہر شخص اپنا ہمارے اہل دیکھ لے گا اور پڑھ لے گا تب اس کا حساب اور محاسبہ شروع ہو گا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

وَأَمَّا مَنْ أُوْبِي كِتَابًا يَتَّبِعُهُ فَسَوْفَ يُعَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا۔

جس شخص کا کتاب اہل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس کا حساب نہایت آسان طریقے سے لیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ حساب اور محاسبہ ہمارے اہل کی تقسیم کے بعد ہو گا۔

محاسبہ کے وقت کرنا کتابیں اور حضرات انبیاء کی حضوری

جس وقت حساب لیا جائے گا اس وقت انبیاء کرام اور کرنا کتابیں (ماکانہ حیثیت سے) حاضر ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَيُجِئُهُمُ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمُ بِالْحَقِّ۔

اور حساب کے وقت انبیاء اور شہداء کو بلایا جائے گا اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آیت میں شہداء سے کرنا کتابیں مراد ہیں۔

اور اس دن نور فرشتے بھی کافروں کی توجہ اور علامت کے لئے حاضر ہوں گے۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَرِّمِينَ۔

جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی بات خوشی اور مسرت

کی نہ ہو گی۔

انبیاء کرام یہ کہیں گے کہ ہم نے حق کو اللہ کے احکام پہنچنے کو انہوں نے مٹا دیا۔ کہ کفار انبیاء کرام کی توجہ اور دعوت کا انکار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت انبیاء سے گواہ طلب کریں گے۔ اللہ ہی اکریم علی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ گواہی دے گی کہ انبیاء کرام نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور یہ تمہارا اسی بارہ میں نازل ہوئی وَكَذَٰلِكَ لِيُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَيُعَاسَفَ أَلْسِنَهُمْ عَلَىٰ مَا كَانُوا يَعْتَمِدُونَ۔

وَقَالُوا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْنَا مِثْرَالٌ لَّالَهُ الْوَدِّ الْقَصِيُّ كُذِّبُوا۔

قیامت کے دن حق کی لہائیں اور حق کے ہاتھ اور حق کے اہل کی شدتیں وہیں کے لوگ اس وقت احمقاء سے یہ کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شدت دی احمقاء جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم کو آج اس خدا نے گواہی دی جس نے ہر چیز کو گواہی عطا کی مگر ہمارے اعتبار کو کوئی دخل نہیں۔

فرض یہ کہ انبیاء کرام اور کرنا کتابیں کی شدت کے بعد خود حق کے احمقاء اور ہمارے بھی ان کی بد اہلیوں کی شدتیں وہیں کے اور اس طرح حق پر ہمت اترے گی۔

محاسبہ کا معنی

حساب اور محاسبہ کے معنی یہ ہیں کہ حق کو ان کے اہل پر مطلع کیا جائے گا اور

ان کو بخلا اور بنگایا جائے گا کہ تم نے ملاں ملاں وقت اور ملاں ملاں جگہ یہ یہ اعمال کئے۔ فرض یہ کہ وہ ذرہ کا حساب ہو گا تو ان کا ان بیشتقانِ حقیقی تین خزانہ بنی آئینہ بھاؤ و کھلی بٹنا حاسبین یعنی اگر ان کا کوئی عمل دہائی کے واسطے کے برابر بھی ہو گا تو اس کو بھی سائے کر دیں گے اور اس کا حساب پس کے اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں کفار اور مشرکین سے حساب و کتاب لینے کے بعد دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہو گا اہل ایمان سے حساب مختلف طرح ہو گا کسی سے آسمان اور کسی سے تختِ صعدت شریف میں ہے کہ مسلم کو یہ دعا مانگی جاوے۔

اَللّٰهُمَّ حَاسِبِيْ جِسْتَابَا بِسَيِّرَا

اے اللہ مجھ سے بہت سی آسمان حساب لہا

اور قرآن اور حدیث سے مطہر ہوتا ہے کہ ایک گروہ جنت میں جاوے

کتاب جائے گا وہ گروہ حکمیں کا ہے۔

اور حق میں شدید بوقتِ حساب اپنے خاص بندوں سے کچھ کلام اور خطاب بھی فرمائیں گے اور ان کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب اور ترسیل نہ ہو گا اور کفار سے لڑائی تو کوئی کام ہی نہیں فرمائیں گے اور اگر کچھ فرمائیں گے تو قیلا و غضب اور توجہ اور سرزنش کے ساتھ ہو گا۔

عقیدہ حوض کوثر

حوض کوثر حق اور حق ہے اور اہل ایمان کا قیامت کے دن اس حوض سے پانی پینے کا حق ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے حرج کے موافق ایک حوض عطا فرمائیں گے اور ہر نبی کی امت کی ایک خاص علامت ہو گی۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا نام کوثر ہے جو تمام حوضوں سے بڑا ہو گا جس کا

اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ اور ہے شمار اسلحہ میں ذکر کیا ہے اور آپ کی امت کی علامت یہ ہو گی کہ اصحاب و فضیلتِ روشن اور چمک دار ہوں گے۔

جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو پیاسے ہوں گے تو ہر نبی اپنی امت کے لیے ان کو اس حوض سے پانی پائے گا عطا کا اس میں اختلاف ہے کہ حوض کوثر پر حاضری حساب و کتاب سے پہلے ہو گی یا پلِ صراط سے گزرنے کے بعد لیکن ظاہر یہ ہے کہ بعض کو قبر سے اٹھنے ہی پانی ملے گا اور بعض کو کچھ دیر میں اور بعض کو پلِ صراط گزرنے کے بعد اور بعض کو دوزخ سے عطا ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے پانی ملے گا اور ممکن ہے کہ کسی کو سب جگہ پانی چلا جائے۔ و ما فالک علی اللہ بعزیز۔

عقیدہ پلِ صراط

پلِ صراط جو دوزخ کی پشت پر ایک پل قائم کیا جائے گا جس کو مومنین عبور کر کے جنت میں جائیں گے اور دوزخی اس سے چمک کر دوزخ میں گریں گے حق اور صحت ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے دوزخ اس پل کے نیچے ہو گی وزنِ اعمال کے بعد لوگوں کو پلِ صراط پر چلنے کا حکم ہو گا اہل ایمان جہدی سے گزر جائیں گے حساب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو لے کر گزریں گے کوئی مومن تو پاک بیچنے میں گزر جائے گا اور کوئی غلی کی طرح اور کوئی سوار کی طرح اور کوئی تیز گھوڑے کی طرح اور کوئی نوت کی طرح پلِ صراط پر اندھا ہو گا صرف اہل ایمان کے سامنے ان کے ایمان کا نور اور روشنی ہو گی جو ان کی رہنمائی کرے گی جس کا اس آیت میں ذکر ہے یَوْمَ يَقُولُ الْمُسَافِقُونَ وَالْمُسَافِقَاتُ لِلَّذِينَ امْلَوْا اَنْظُرُوْا نَفْعِيْمْ مِنْ ثَوْرٍ كُنْمْ قَبِيْلٍ اَرْجِعُوْا وَرَاٰكُمْ فَاَلْتَمِسُوْا ثَوْرًا فَطُورًا بَيْنَهُمْ سُورَةُ الْاَنْبَا

نکلت: پل صراط پر گزر رہا صراط مستقیم پر چلنے کی صورت مثالیہ ہے جو دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رہا وہ آخرت میں بھی پل صراط سے بسپوشت گزار جائے گا اور جس کا قدم پہلے پستہ اس کا پہلے بھی پھسلے گا اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ پل صراط کا راستہ حقیقی راستہ ہے جو محسوس ہو گا اور تمام اہل حق اس کو اپنے سر کی آنگھوں سے دیکھیں گے کوئی نیالی اور چھڑی چیز نہیں تمام لوگوں حلقہ اسی کے سوچیں اور تمام فیصلوں نے اپنی اپنی امتوں کو اسی طرح خبر دی ہے اور پھر سب جہان کے بعد غلام انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پل صراط کے حقیقی امت کو اسی طرح خبر دی ہے اور اس کو اسی طرح صاف اور واضح بیان فرمایا ہے کہ اس میں کسی تعویل اور شبہ کی گنجائش نہیں لہذا اس کو حقیقی طور پر پانا تمام امت پر فرض ہے۔

بارہواں باب

عقیدہ شفاعت

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ہو سکتی ہے۔
 ۱۔ یَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلُهُ
 (سورہ طہ: ۱۰۹)

اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے پونا پسند کر لیا ہو۔

۲۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (سورہ سہا: ۲۳)
 اور خدا کے سامنے شفاعت کسی کے لئے کام نہیں جتنی مگر اس کے لئے جس کے لئے اجازت دے دی ہے۔

۳۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورہ بقرہ: ۲۵۵)
 کیا کون شخص ہے جو اس کے پاس شفاعت (شفارش) کر سکے یہ دن اس کی اجازت کے۔

بلکہ نہ ہی آیات میں خود کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ہو گی بھی۔ وہ اس طرح کہ اگر قیامت کے دن شفاعت ہوئی ہی نہ ہو تو پھر شفاعت کے نہ ہونے سے بالکل نہ دیکھتے سے ان لوگوں کو مصطفیٰ نہ کیا جاتا جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو گی یا جن کو شفاعت کرنے کا لون اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو گا اور یہ انتشاء صحت ہو تب لیکن چونکہ قرآن پاک میں کوئی بات صحت نہیں لہذا یہ انتشاء صرف امکان و احتمال ہی نہیں ہے بلکہ واقع بھی ہو گا۔

۴۔ لَا يَمْنَعُ كُنُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ عِنْدَهُ (سورہ مریم: ۸۷)

کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر یہی جس نے رحمان کے پاس اجازت لی ہے۔
شفاعت کس کے لئے نہ ہوگی

مَا يَلْفُظُ لِيَسْمَعَ مِنْ تَحِيَّاتِهِمْ وَلَا يَشْفَعُ بَطَاعُ (سورہ صافات: ۱۸)
 ظاہر اس کا نہ کوئی بدلہ دوست ہو گا اور نہ کوئی سفارش ہو گا جس کا کامیاب جائے۔
 اس آیت میں ظاہر ہے کہ ہر کفار مشرکین ہیں جیسا کہ ایک آیت میں ہے۔
 إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (سورہ قمر: ۲) بے شک شرک بڑا ظلم ہے

شفاعت کے لئے ضابطہ

قرآن پاک میں کافروں مشرکوں کے بارے میں فرمایا۔
 وَيَنْهَوْنَهُمْ مِنَ ذُنُوبِهِمْ مَالًا يَنْفَرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَوَّلَاءِ
 شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ. (سورہ یونس: ۱۸)
 یعنی یہ لوگ اللہ کی توحید کو بھول کر اپنی چیزوں کی مہلت کرتے ہیں جو مہلت نہ
 کرنے کی صورت میں ان کو نہ ضرر پہنچائیں اور نہ مہلت کرنے کی صورت میں ان
 کو نفع پہنچائیں اور اپنی طرف سے ایک نفع کا اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبود اللہ
 کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اس لئے ہم ان کی مہلت کرتے ہیں۔

سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّمَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ قُلْ أُولَئِكَ نَادُوا بِمَوْلَاهُمْ شَيْئًا
 وَلَا يَنْفَعُهُمْ قُلْ لِلَّهِ الشُّفَاعَةُ جَمِيعًا۔

یعنی کیا توحید کے دلائل کے قائم ہونے کے باوجود وہیں مشرک لوگوں نے خدا کے
 سوا معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے
 کہ اگرچہ یہ معلوم سفارشی کچھ بھی قدرت نہ دیکھتے ہوں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے
 ہوں کیا پھر بھی ان کو شفیع و سفارشی ہی کیجے جائیں گے۔ یعنی شفاعت و سفارش کرنے
 کے لئے کم از کم علم و قدرت تو درکار ہے جو ان میں ہی کچھ ملو پھر ہونے کے مستحق

ہے۔

اور چونکہ یہ اہل موجود ہے کہ کوئی مشرک کے کہ یہ مہلت اور معافیوں کی
 نفسہ سفارشی نہیں بلکہ جن چیزوں کی یہ معافیوں ہیں وہ درحقیقت سفارشی ہیں اور
 وہ انی دماغ بھی تھے اور ان میں علم و قدرت دونوں ہیں۔ اس لئے آگے اس کا جواب
 دیا کہ آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سفارش تو جوازِ خدا ہی کے اختیار میں ہے کہ اس کے
 اذن کے بغیر کسی کی مہلت نہیں کر سکتے۔
 مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ

اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا اور اذن کے لئے
 وہ شرطیں ہیں ایک سفارش کرنے والے کا اللہ کے ہاں مقبول ہونا اور دوسرے جس کی
 سفارش کی جائے اس کا قبولِ مہلت ہونا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن انھوں میں شفاعت کی غلی ہے مثلاً بَنَاتِ
 آدَمَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُسَهُنَّ وَمَقَارِزُهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بَنِي
 وَلَا حُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ۔

اسے ایسا دلو مشرک کہ ان چیزوں سے جو ہم نے قرآن کو دی ہیں مہلت اس کے وہ
 دن آجائے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش
 ہوگی۔

تو اس سے وہ شفاعت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہوں۔

فرض قیامت کے دن ان چیزوں کی شفاعت ہوں گے جن میں اللہ تعالیٰ کے اذن اور
 اجازت سے حق ہے اللہ تعالیٰ انھیں اور ظاہر اور خفا اور فرشتوں کو اہل ایمان کے
 حق میں کچھ عرض معاف نہیں کرنے کی اجازت دیں گے۔ شفاعت کا دروازہ سب سے پہلے
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے اور تمام اولین و آخرین حق کی حضور سے
 شفاعت کی درخواست کریں گے اہل معصیت کی طرف سے شفاعت کی درخواست حضرت
 زور سے شروع ہوگی اور خاتم النبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگی اور اس وقت

آپ کا خادم البیہود سید الدین والا فرمیں جو اس باب لعل مشرقی ظاہر ہو جائے گا
اور سب کو آپ کے مروجہ کاظم ہو جائے گا۔

فائدہ جلیلہ: جانا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صفات پر
تکلف و شگفتگیوں کی پہلی شگفتگی جس کو شگفتگی کہتی تھیں یہ میدان مشرقی
ہوئی۔ یہ شگفتگی میدان مشرقی شدت اور دہشت کی تحریف اور سبب و کتاب
شروع ہونے کے لئے ہوئی مدد دہری شگفتگی سبب اور سوال میں سوت ہو جانے کے
لئے ہوئی کہ ان سے سبب آسان لیا جائے گا سبب میں خلق نہ کی جائے۔ تیسری
شگفتگی بعض گناہوں پر عذاب کا حکم جاری ہونے کے بعد شگفتگی قربانی کے کہ
ان کا تصور سبب کر دیا جائے اور جنم میں نہ والا جائے چہ قحی شگفتگی بعض گناہوں
جنم میں داخل ہوں گے ان کو دوزخ سے نکلنے کی شگفتگی قربانی کے۔ چوتھی
شگفتگی بعض اہل ایمان کے درجے بلند ہونے کی شگفتگی قربانی کے کہ اس مومن کو
اس سے جدا کر دو جہ سے جدا کیا جائے۔ گناہ کو ان تمام مواقع پر شگفتگی کی امید رکھنی
چاہئے۔

یہ شگفتگی کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں جو اس حدیث سے ثابت ہیں اور سب حق ہیں
معتد بہ صرف پہلی قسم اور پانچویں قسم کی شگفتگی کے قائل ہیں اور دوسری اور تیسری
اور چہ قحی قسم کی شگفتگی کے منکر ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے سے
مومن نہیں رہتا اور غیر مومن کے لئے شگفتگی منقذ نہیں۔

تیسری جہان باب

جنت و دوزخ سے متعلق عقائد

عقیدہ

جنت اور جہنم حق ہے اور جنت کا ثواب اور عیش و آرام اور دوزخ کا عذاب
سب حق ہے۔ تمام جہنمی اور دوزخی لاشیں اور راتیں اہل جنت کو میر ہوئی کی اور
تمام جہنمی اور دوزخی مصیبتیں اہل جہنم کو حاصل ہوں گی۔

عقیدہ

جنت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں۔ قرآن پاک میں
ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ
وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (سورہ عمران ۴۳)

اور دلائل اپنے رب کی عظمت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت الہی
ہے جیسے سب آسمان اور زمین وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

وَأَتَقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (سورہ آل عمران ۶۶)
اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ان آیات کی رو سے جب جنت اور دوزخ تیار شدہ ہیں تو ان کا فی الحال موجود
ہونا بھی ثابت ہوا۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِنْدَةٍ الْمُنْتَهَىٰ عِندَهَا حَقَّةُ الْمَآوَىٰ
(سورہ نجم ۲۳)

اور انہوں نے اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سفرۃ المنتہی کے

پس اس کے قریب جنت الہدی ہے اس آیت سے بھی واضح ہوا کہ جنت فی الہر
مرد ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے۔

۱۔ حضرت محمد اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قال تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا
سمعت ولا خطر علی قلب بشر

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں
جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال
بھی کر سکا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اشتکت النار الی رہا فقالت رب اکل بعضی بعضا فاخذہ
بنفسین نفس فی الشناہ و نفس فی الصیف فہو اشد مانجسون من
الحر و اشد مانجسون من الزمہریر۔

جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی کہ شہت کی وجہ سے میرا ایک حصہ مردہ
حصہ کو کھا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ سانس لینے کی اجازت دی ایک سردی میں
اور ایک گرمی میں۔ انتہائی تپش اور انتہائی ٹھنڈا ہر قسم ہے وہ وہ اسی کا اثر ہے۔

بعض معجزہ اس بات کے قائل ہوئے کہ جنت اور دوزخ قیامت کے دن پیدائی
جائیں گی۔ ان کی ایک دلیل یہ آیت ہے۔

رَبُّكَ النَّارُ الْأَيْسَرُ تَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا
فَسَادًا (سورہ ص)

اس آیت میں تجعلہا کا مطلب انہوں نے یہ لیا کہ ہم پیدا کریں گے۔ اس
کے مطابق جنت کا ترجمہ یہ ہوا ہے عالم آخرت ہم اس کو پیدا کریں گے ان لوگوں نے

لئے جو دنیا میں نہ پڑا ہوا ہے جن کو نہ لگا کر

اس کا ارادہ یہ ہے کہ تجعلہا کا مطلب معجزہ نے لیا ہے وہ حق میں
ہے بلکہ یہ لفظ کسی کے لئے خاص کر دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ
اس آیت میں ہے۔

وَتَجْعَلُوا لِلَّهِ عِلْمًا تَرَوْنَ مِنَ الْعِزِّ وَالْأَلَمِ تَصِيبًا (سورہ انعام: ۳۶)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو سنی پڑا کرے گا جس میں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ
حصہ اللہ کا سطر کیا۔

فلا تزدادہ ولا اتخا کی روشنی میں اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

"یہ عالم آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو دنیا میں نہ پڑا ہوا ہے
جس کو نہ لگا کر

معجزہ کی مدد سے دیکھ لیں یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے اُنْجَلُوا قَالُوا (سورہ مدہ:
۳۵) اس کا چل دامن رہے گا۔

اگر جنت فی الہر سورہ ہوتی تو ضروری ہے کہ اس کے چل بیٹھ اور دائمی رہیں
بھی پاک نہ ہوں ملاکہ قرآن پاک میں یہ بھی ہے کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهًا
یعنی سوائے اللہ کی ذات کے ہر شے پاک ہوئے والی ہے جس میں جنت کے چل بھی
شکل ہیں۔

اس کا ارادہ یہ ہے کہ چلوں کے دائم رہنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی نوع باقی
رہے گی جو بعض قاف ہو جائیں یعنی اگر ایک بار مہوہ کا لیا دے اس کی جگہ دولت پر
اور لگ جائے گا مطلب یہ ہے کہ ایسا میں ہو گا کہ جنتیوں کے استعمال سے چل نہ
اور قاف ہو جائیں گے بلکہ ان کی جگہ اور نئے چلے جائیں گے۔ تو اس آیت میں اس
وقت کا دام مراد ہے جب ان چلوں کا استعمال ہو گا اور ایسا لیا لوگوں کے جنت میں
رہنے کے بعد ہو گا۔ علاوہ انہی کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهًا میں ہر شے کے لئے
نسل قاف اور دائمی پاکت مراد میں ہے بلکہ بعض کے لئے وقتی پاکت مراد ہے جیسے

سودھ کو پھر بھیج دیجئے ہم ایک کام کریں گے ہم کو پورا یقین آجیے

پس چونکہ محبت اور سزا کی غرض پوری ہو گئی اور مجرموں نے توبہ بھی کر لی اور
انکے کلمے سے نچنے کا پتہ دھند بھی کر لیا تو اب کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ پھر بھی اس
مذاب کو باقی رکھا جائے۔

جواب: سزا و مذاب کا خوف مذاب کی حالت میں مجرموں کے دھمے و دھمکے
ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی دھمہ جو دل سے ہوتا ہے اور جس میں گنہ سے بچنے کا واقعی
حزم ہوتا ہے۔ سزا و دفع الہی ہوتا ہے یعنی دل میں گنہ چھوڑنے کا حقیقی حزم نہ ہو
صرف سزا و مصیبت سے ڈبائی پانے کے لئے مجبور دھم کیا جائے اس مصیبت سے کہ
اس وقت توبہ جان بچائی جاوے۔ انکے دیکھا جائے گا۔

ہم میں سزا پانے والے کاغذوں کے یہ دھمے دوسری حم کے ہوں گے جو محض
محبت اور دقت کزائی کے لئے ہوں گے۔ اسی لئے خود قرآن پاک میں ان کی اس
دفع الہی (دقت کزائی) اور کتب بیان کی تصریح صاف الفاظ میں موجود ہے۔ ارشاد
ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُعُوتُوا عَلَى النَّارِ لَقَالُوا لَئِن كُنَّا نَبْرَأُ
لَرَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْتَوَّابِينَ ۖ بَلْ بَرَأْنَا لَهُمْ شَاكِرًا مُّؤْمِنًا قَبْلَ وَلَوْ
رَفَعُوا يَدَاؤُا إِنَّا لَهُمْ عَدُوٌّ ۖ وَاللَّهُ لَكَادِبُونَ

اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے
تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے
تو ہم اپنے رب کی آیت کو مجبوراً نہ کہیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں بلکہ
بس جج کو اس سے گلہ چھپا کر دے دے اس لئے آگئی ہے۔ اور اگر یہ لوگ پھر واپس
بھیج دیئے جائیں جب وہ یہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور جیتنے یا
بیکل جھوٹے ہیں۔

اگر سوال کیا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اس وقت گنہ سے بچنے کا حزم نہ ہو

گا؟ جواب یہ ہے کہ آیت میں یہ الفاظ انہم لکاذبون (یعنی یہ بالکل جھوٹے ہیں)
اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے اختیار کے مابین میں انکے دھمے کے بچے یا
جھوٹے ہونے کا ہر بار ارشاد الہی حزم ہونے نہ ہونے پر ہی تو ہے اگر حزم ہو گا تو
دھمہ صحابہ اور اگر حزم نہ ہو گا تو دھمہ جھوٹا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ
جھوٹے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ جھوٹا دھمہ قاضی ان کا حزم نہ تھا اور دھمہ دل سے
نہیں کیا تھا بلکہ صرف زبان سے محبت کہہ دیا تھا۔

اگر سوال کیا جائے کہ آخرت میں مذاب دیکھنے کے بعد دنیا میں اس کا کفر کیسے
محسوس ہو سکتا ہے کیونکہ دنیا میں تو کفر کیسے ہیں حق کے خلاف عقیدہ رکھنے کو اور دوزخ
کے پاس کھڑے ہو کر جب کفر کا مذاب آگھوں سے دیکھ لیا تو اس کے خلاف کا اعتقاد
دل میں کیسے آ سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ کفر صرف یہی نہیں ہے کہ حق کے خلاف
اعتقاد رکھے بلکہ حق کا یقین ہوتے ہوئے بھی پھر اس کو نہ مانا بھی کفر ہوتا ہے بلکہ یہ
کفر کی زیادہ سخت قسم ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

وَجَحَلُوا لَهَاؤُا شَتِيفَتَهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُدُوًّا

(اور غضب یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (مخلوقات) کے بالکل منکری ہو
گئے ملاکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔

اور اس پر جب نہ کیا جائے کہ ایسے شدید وقت میں محبت کیونکر محسوس ہے؟
کیونکہ یہ طہیت لوگوں کا لہذا ایسا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ہولناک دن میں
اور بھی محبت نہیں گئے قرآن پاک میں

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ يَنْتَهِمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مِنْكُمْ كَبِيرًا ۖ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ

پھر ان کے شرک کا انہم اس کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو گا کہ وہ ان کہیں گے کہ
حکم اللہ کی اپنے ہر درکار کی ہم شرک نہ تھے۔ ارا دیکھو تو کس طرح محبت ہونا اپنی
پہلوں پر

محرطت و طبع کا لہذا کے لئے مقرر نہ ہو گا کیونکہ اس سے یہ نہیں ہوتا کہ
تو ہی میں قدرت و اختیار ہی پائی نہ رہے۔

عقیدہ

مومن قاصد یعنی گنہگار مسلمان کو اگر اللہ تعالیٰ جہنم میں بھیجیں گے تو وہاں اس کا
رہتا دائمی نہ ہو گا بلکہ اپنے گنہگاروں کی سزا جگت کر جہنم سے نکل لیا جائے گا اور جنت
میں داخل کر دیا جائے گا کیونکہ ایمان بھی ایک عمل ہے خود وہ کتنا ہی کمزور ہو۔ اور
تو ہی اس کی جزا پائے گا جو جنت ہی میں مل سکتی ہے اور جہنم سے نکل کر تو جنت میں
داخل کیا جاسکتا ہے جہنم جنت سے نکل کر جہنم میں داخل نہیں کیا جاتا۔ لہذا گنہگار
مسلمانوں کو اگر جہنم کی سزا ہوئی تو سزا سمجھئے کہ بعد ان کو وہاں سے نکل لیا جائے گا
اور جنت میں دائمی داخل مطلق کیا جائے گا جن میں ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس
سوائے ایمان کے کوئی اور نیک عمل یا نکل نہ ہو گا حدیث میں ان کے بارے میں یہ
الفاظ ہیں ثم یعمل خیرا یقطع ایمان کے علاوہ کبھی کوئی اور نیک عمل انہوں نے کیا
ی نہیں ہو گا۔

عقیدہ

اعراف حق ہے۔ اعراف اس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہو گا
اس میں نہ جنت بھی راحت ہو گی اور نہ دوزخ بھی مصیبت ہو گی مگر یہ مقام دائمی
نہیں اس پر جو لوگ ہوں گے وہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کو دیکھیں گے اور ان
سے کلام کریں گے کما قال تعالیٰ وَتَنبِئُهُمْ بِحَبَابِ وَتَعَالٰی الْاَعْرَافُ
یٰٰرَبِّ الْعَالَمِ اِنَّ یَعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسْمِئِہُمْ یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہو گی
جس کا نام اعراف ہے اس پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کیونے کے چہلوں کی علامت
سے پہچان لیں گے کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی ہے قیامت کے دن تو ہی تین قسم کے ہوں
گے۔ ایک وہ ہوں گے کہ جن کی نیکی ان کی بدی پر غالب ہو گی انہیں جنت میں جانے

کا حکم ہو جائے گا دوسرے وہ کہ جن کی بدی ان کی نیکی پر غالب ہو گی انہیں دوزخ
میں جانے کا حکم ہو گا اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکی اور بدی برابر ہو گی ان
کو مقام اعراف میں ٹھہرنے کا حکم ہو گا یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہو گا تو ان کی
خطائیں معاف کر کے ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے۔ اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا تَخْوَفُ عَلَیْہِمْ وَلَا اَنْتُمْ تَخْشَوْنَ۔ اہل اعراف
کو حکم ہو گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اب تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ فرہے۔

جسور سلف اور ظلم کا مذہب یہی ہے کہ اہل اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی
جنت اور سیلت برابر ہوں گی۔ فی الحال وہ اس دیوار پر چڑھ کر جنت والوں کو سفید اور
دوزخ چڑھ دیکھ کر پہچان لیں گے اور دوزخیوں کی سیاہ دہائی کو دیکھ کر ان کو پہچان لیں
گے اہل جنت کو دیکھ کر جنت میں جانے کی طمع کریں گے اور دوزخیوں کو دیکھ کر اذیت
کے اور ان کے مل سے پتہ مانگیں گے۔ مگر اللہ کے فضل پر نظر لگائے ہوئے ہوں
گے اور اسی طمع میں ہوں گے کہ اللہ کا فضل ان کی دیکھیری کسے گا اور ان کو اپنے
فضل اور رحمت سے جنت میں جانے کا حکم دے گا۔ ہرمل تمام اہل حق اس پر متفق
ہیں کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں بلکہ اعراف واسلے جنت میں داخل ہوں گے۔

موسیٰ ہے ہوش ہو کر گر پڑے حق خدائی کی جہالت بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے جلی فریضہ پہاڑ پر جو جلی فریضی اس نے معاً پہاڑ کے غاصل حصہ کو ریڑھ ریڑھ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل جلی سے قریب تھے ان پر اس قرب محل اور پہاڑ کے حیثیت ہلک مقرر دیکھنے کا یہ اثر ہوا کہ یہ ہوش ہو کر گر پڑے۔

اس تحصیل سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کی ہادی اعتبار سے بڑی مضبوط سے مضبوط چیز لفظ خدائی کی ایک جھلک کا قائل نہیں کر سکتی تو انسان کی دنیوی جان اس کا حق کیونکر کر سکتی ہے ہو کہ ہادی اعتبار سے بہت کمزور بھی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں دیدار الہی کا وقوع مستحکم ہے۔

تفسیر

جلی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین "اسفل پہاڑ" سب چیزوں سے انسان فائق ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وحی الہی کے حامل تھے بلکہ دوسرے انسان بھی جس لذت نظیر کے حامل ہیں پہاڑ و حیوان کے مقابلے سے قدار نہیں۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (سورہ احزاب: ۷۲)

ہم نے یہ لائق آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی وہ امنوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

وَلَوْ أَرَادْنَا هُنَا أَنْفِرَانِ عَلَىٰ ثَرَاتَيْنِمَا تَصَدَّعَا مِن نَّعْشَةِ اللَّهِ (سورہ نوح: ۲۱)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر پھیل کر دے تو اس کو دیکھ کر خدا کے خوف سے وہ پانی اور پھٹ جاتا۔

ہم جس چیز کا خلق ظاہری آسمانوں و زمین کی ہادی قوت سے ہو اس میں انسان دوسری عظیم القوت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے۔

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ موسیٰ: ۵۱)

جہت آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا زیادہ ہے لوگوں کے جاننے سے لیکن بہت سے لوگ نہیں سمجھتے۔

خَلْقِ الْإِنْسَانِ ضَعِيفًا (سورہ نملہ)

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

مکرمین دیدار الہی کی دوسری دلیل

قرآن پاک میں ہے

لَا تُشْرِكُهُ الْإِبْطَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْإِنْبَارَ (سورہ غافر: ۲۰)

یعنی انسانی نگاہیں اللہ کا دریا نہیں کر سکتیں اور اللہ ہی سب نگاہوں کا دریا کرتا ہے۔ اس نص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا جاسکتا۔

جواب

دریا کا مسطح لخت میں دیکھنے کے میں ہے بلکہ اعلیٰ کرنے اور گہر لینے اور اتنی تک پہنچنے کو کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔

قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا نَمْلِكُ كُونَ

تو مطلب یہ ہوا کہ نگاہیں بھی اس کا اعلیٰ نہیں کر سکتیں اور نہ اس کی اتنی گہرائی۔ اور آخرت میں دیدار ہو گا لیکن اعلیٰ نہیں ہو گا بلکہ اس کی شان ہے کہ وہ تمام نگاہوں اور دیکھنے والی چیزوں کا اعلیٰ کے ہوئے ہے۔

عقائد متعلقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عقیدہ اول

اہل اہلباء کرام کے بعد خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا مرتبہ اور مقام ہے۔ امام غزالی عقیدہ غلو یا غلویت میں فرماتے ہیں و بعد اصحاب رسول۔ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منهم وینقض من ینقضہم و ینقض الحق بذکرہم ولا نذکرہم الا بالخیر و صہم دین و ایمان و احسان و ینقضہم کفر و نفاق و طغیان

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں بھی کمی نہیں کرتے اور جو ان سے بغض رکھتے اور انکار کا حق طریقے سے کہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور صحابہ کا ذکر فقط خیر اور بھائی کے ساتھ کرتے ہیں ان کی محبت دین اور ایمان اور احسان ہے اور صحابہ سے بغض اور نفرت کفر اور غفلت اور لیس اور حیران ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے بزرگ اور افضل ہیں اسی طرح حضور کی امت تمام امتوں سے افضل اور بزرگ ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ قرآن کریم کی نص صریح ہے اور تمام امت میں سب سے افضل اور بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جگہ ہے۔ اس لئے تمام اہل سنت و جماعت کا یہ اعتقاد عقیدہ ہے کہ تمام امتوں میں انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا درجہ اور مرتبہ ہے وہ بلاشبہ سوسن کامل اور صحیح اسلام والے تھے۔ سچے اللہ و صالحین نہ تھے ان کا خاتمہ ایمان اور اسلام ہوا یا قیامت تک کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں نیچے سکتا جس طرح کوئی دل ہی کے درجہ کو نہیں نیچے سکتا کسی طرح کوئی دل صحابہ کے درجہ کو نہیں نیچے سکتا اللہ نے قرآن میں ان کے لئے اپنی رضا اور

طرہتوں کی اعلیٰان فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اور دنیاوی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی گئی۔ صحابہ کرام اگرچہ اہلباء کرام کی طرح معصوم نہیں مگر خدا تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا اور جنت میں ان کا جانا قطعی اور یقینی ہے اور صحابہ کے ایمان اور دل انعام کی شہادتیں قرآن کریم میں وارد ہیں۔ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُوكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صحابہ کے حقیقی اپنی رضا مندی کا اعلان فرمایا اور فعلیم ما فی قلوبہم میں ان کے دل انعام کی شہادت دی کہ اللہ کو ان کے دلوں کا خوب حال معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محب صادق اور کھلم کھاس ہیں جن میں غلو اور عقیدہ کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں۔

خصوصیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کو ایمان اور اسلام کی نازلہال دولت عطا فرمائی۔

محمد اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شہرت کے لئے پسند کیا اور دین اور ملت کی توحید اور امانت کے لئے ان کو منتخب کیا۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِكَلِمَةِ الْتَقْوَىٰ وَكُنَّا أَوْسَىٰ بِهَا وَأَعْلَاهَا وَكَانَ اللَّهُ يَكْنِي سَنِيَّ عَلِيًّا

اور اللہ نے ان کے لئے تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعلیم کو لازم کر دیا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری ان سے جدا نہ ہو سکے اور صحابی تقویٰ اور پرہیزگاری کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور وہی سب سے زیادہ اس کے لائق تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کون کس کا اہل ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ سے بڑھ کر کوئی حق اور پرہیزگار نہیں۔

بعد میں آئے والے لوگوں کے لئے رضا اور جنت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ شرط کیا کہ بعد میں آئے والے صحابہ کی اطلاع کے ساتھ ہی کریں۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ

۴۔ لٰكِنِ الرَّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِلُونَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورہ قیہ)
ہاں رسول اور ان کے ساتھ ایمان لائے والوں نے اپنے مال اور جانوں سے جملہ کیا ان لوگوں کے لئے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ صحابہ ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ نے ایسے جنت تیار کئے ہیں جن کے چپے سے عرس جاری ہیں یہ لوگ بیشک انیس میں رہیں گے اور یہ بہت ہی بھلائی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لائے والوں کے لئے چار وعدے فرمائے ہیں۔ ایک تمام بھلائیوں کا دم لانا کامل کام سم جنتوں کا چارم فور عظیم کا

۵۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَجَاهِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا ۖ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورہ انفال)

اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور بعد کیا اور جن لوگوں نے ان مساجد کو چھلکا دیا اور ان کی مدد کی یہ سب لوگ سچے اور سچے مسکن ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور دن کی کسم کسا جانے کا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مساجد اور انصار کو سچا اور پاک مسکن فرمایا اور ان سے مغفرت اور دن کی کسم کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کے لئے اور سچے مسکن تھے۔

۶۔ مَحْفُذَةً رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِنَّهُمْ عَلَى الْكُفَّارِ رَحِمًا ۖ لَا يَنْهَهُهُمْ نَزَاهُمْ رَحِمًا سَبَدًا ۚ يَنْتَفُونَ قَضًا مِنَ اللَّهِ وَرِشَتَانَا ۚ يَسْتَنَّا هُمْ فِي

وَجُوهِهِمْ ۚ أَمَّا السُّعُودُ فَاِلَيْكَ مُتَّكِلُونَ ۚ وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي الْأَنْجِلِ كَلْرَجٍ ۚ أَخْرَجَ شَقَاءً ۚ فَارْزَوْهُ ۚ فَاسْتَقْلَقُوا عَلَى سَوْقٍ ۚ يَجْعَلُ الرِّزْقَ يَتَغَيَّرُ بِهِمُ الْكُفَّارُ ۚ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَقِيُوا الصَّلَاةَ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً ۚ وَأَجْرًا عَظِيمًا (سورہ حج)

اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے صحابہ اور رفقاء کافروں پر سخت اور مسلمانوں کے حق میں نرم اور مہربان ہیں اسے دیکھنے والے تو صحابہ کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہی دیکھ کر جو حق اللہ کے فضل اور اس کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہیں اور سجدہ کے تکل ان کے چہروں پر تو نمایاں طور پر دیکھ کر صحابہ کے یہ اوصاف تو قدرت میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی یہ مثال بیان کی ہے کہ جیسے بھیج کر اس نے اپنی سوتی نکالی پھر قوی اور مضبوط ہوئی اور اپنے سچے پیروں کی ہوئی ہر کسبوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی حالت اول کمزور تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت دی تاکہ دنیا میں کافروں کو صحابہ کے فیض اور حسد سے بچائے اور آخرت میں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کی مدد فرمائی اور یہ بھی ظاہر کیا کہ جس طرح نبی کریم کی بشارت قدرت اور انجیل میں مذکور ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف بھی قدرت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

ظاہر نکام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں صحابہ کرام کا رتبہ ہے اور جس طرح رسول اللہ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کا اطاعت نبی کریم کی اطاعت کا نمونہ ہے۔

فذا جس طرح اسوہ نبوی اور سنت عظیمی کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اسوہ صحابہ کا اسوہ نبوی سے جدا نہیں کیا جا سکتا خدا تعالیٰ کا دین ہم تک انیس دو واسطوں سے پہنچا ہے ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام

اگلی اسی قبیلہ سے ہو لیکن حضرت عمرؓ نے انصار کے سامنے یہ دلیل رکھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ابو بکر کو اللہ میں سب سے زیادہ عزیز بنا دیا اور نماز دین کا ایک سمت پر استیصال ہے اور آخری عبادی میں ابو بکر کو نماز میں اپنے جگہ کھڑا کیا اور خود ابو بکر کی اللہ کی پس جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے لئے پسند کیا اور اس کو آگے کیا ہم اس کو پیچھے نہیں کر سکتے۔ ہم بھی اس شخص کو آگے ہی کریں گے۔ اس بحث و مباحثہ کے بعد انصار نے ابی بکرؓ کو رضیت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسرے انصار کو صحابہؓ کا کوئی خوف اور ڈر نہ تھا۔ یہ متصور تھا کہ ان میں اکثریت انصار کی تھی۔ بلکہ دولت اور ہمدردی کثرت پر اعتبار سے انصار صحابہؓ پر غالب تھے۔ اگر انصار یہ رضا و رغبت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو صحابہؓ نے پاس کوئی قوت لینی نہ تھی جو اس اکثریت کو اقلیت کے امیر اور خلیفہ بنی بیعت پر مجبور کر سکتی۔ معلوم ہوا کہ ابو بکر صدیقؓ میں امارت اور خلافت کی شرائط اس درجہ اتم اور مکمل تھیں کہ سب نے بالاطلاق اپنا خلیفہ بنایا۔ بعض علماء اہل سنت اس طرف کے ہیں کہ ابو بکرؓ کی خلافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب سے اور تصریح سے بیعت ہے۔ حضور نے اپنے مرض الموت میں ابو بکرؓ کی خلافت کی صراحت فرمادی تھی۔ اس کے برعکس شیعہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو اللہ و وح کو خلافت کے لئے پہلا کر دیا تھا۔

حق یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم سے کسی خاص شخص کی خلافت کے بارے میں کوئی صریح اور جلی نصوص نہیں چاہی تھی نہ ابو بکر صدیقؓ کے لئے اور نہ علی مرتضیٰؓ کے لئے۔ بہت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے لئے نصوص خلیفہ اور اشارات اس درجہ کثرت کے ساتھ ملے ہیں کہ ہر قریب صراحت کے ہیں۔ خلافت صدیقیؓ نے عقد کے لئے اہل سنت و الجماعت کا اصل نمونہ اعلان امت سے ہے اور نصوص خلیفہ اور اشارات نبویہؓ کو اس اعلان کا خلاصہ یعنی اور مزید قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت نصوص خلیفہ اور اشارات کو محض ثبوت اور تائید بیعت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ دوسرے

عقیدہ دوم

تمام اہل حق کا اس پر اعلان ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام امتوں میں افضل اور بہتر اور قائم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد انصار صحابہؓ سجدہ نبی سابعہ میں جمع ہوئے اجماع میں بیسے بیسے جلیل القدر علماء اور علماء دین اور مشاہیر حضرت شہسختے بیعت و تکرار غور و فکر کے بعد تمام حاضرین نے صدق دل اور عیب خاطر اور شرح صدر کے ساتھ بالاطلاق ابو بکر صدیقؓ کو یہ کھجور لپٹا دیا کہ ابو بکرؓ اور ضم و راع اور تقویٰ امت اور عدالت اور تہجد سیاست میں تمام صحابہؓ سے زیادہ کریں اور بعد اصحاب کبار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا عقیدہ امتی جمع ہو ایسے حضرات پر مشتمل ہو کہ جن کو اللہ اور اس کی رضا اور خوشنودی کا ہوا نہ اور بیعت کی بشارت مل چکی ہو وہ دوسرے حق کے کسی بات پر متعلق نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لن یجمع امتی علی الضلالہ میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔

ابتداء مشورت میں انصار کی یہ رائے تھی کہ

منا امیر و منکم امیر

ایک امیر ہم میں ہے ہو اور ایک امیر ہم میں ہے۔

انصار نے خلافت کو قبیلہ کی بیعت پر قیاس کیا کہ جس طرح عرب کا دستار تھا کہ ہر قبیلہ کا سردار اسی قبیلہ کا آدمی ہوتا تھا اسی طرح ہر قبیلہ کا خلیفہ اور امیر بھی اگلی

صحابہ کرام کا اعلان خود ایک مستقل جہت ہے اور صحابہ کے بعد کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں۔

اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر کوئی نص ہوتی تو صحابہ کرام ضرور اس کو ذکر کرتے اور اگر بغرض اہل صحابہ نے چھپایا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت اپنی نص خلافت کو ظاہر فرما دیتے تو انصار بجائے ابوبکر کے یقیناً حضرت علی کا ساتھ دیتے اس لئے کہ حضور کی قربت کی وجہ سے انصار پر جو باجم کا خاص اثر اور لفظ تھا اور اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ حضرت علی نے تئید کی بنا پر اپنی نص خلافت کو چھپا لیا تو اہل سنت یہ کہیں گے کہ تئید کا ثبوت احمد اہل کے خلاف ہے اہل سنت کے نزدیک حضرت علی نے بھی تئید نہیں کیا وہ اللہ کے شیر تھے سوائے خدا کے کسی سے نہیں دے تھے اور اگر باغرض حضرت علی نے اس وقت تئید کر کے اس نص کو چھپا لیا تھا تو جس وقت حضرت علی قلیل ہو گئے تھے اس وقت تو اس نص کو ظاہر فرما دیتے مگر ہمارے بھی کوڑے کے برابر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت کا اعلان فرماتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا مرتبہ ہے

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا مرتبہ ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس بارہ میں ایک حدیث تھوڑی اور سب مسلمانوں کو حضرت عمر کی اطاعت اور حیثیت کا حکم دیا۔ حضرت عمر کی فطنی کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا اے ابوبکر تم خدا کو کیا جواب دے گے کہ تم ایک سخت عزائم دہی یعنی عمر کو ہم پر خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہو۔ ابوبکر نے فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ سے یہ عرض کروں گا کہ اے پروردگار میں نے جسے مجھن بد سے کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور یہی بات اہل بیت سے معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جس قدر بھی احادیث ایسی ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر اور عمر کے ذکر کو جمع کیا ہو ان

میں باوجود حق ابوبکر کا ذکر عمر کے ذکر سے مقدم ہے۔ ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں ابوبکر کا ذکر عمر کا ذکر سے مقدم نہ ہو۔ حاشا! اقتدوا بالذین من بعدي ایسی بکھر و عمر۔

سیدنا کہول اهل الجنة من الاولین والاخرین ابوبکر و عمر۔
انا اول من تنشق عنه الارض ثم ابوبکر ثم عمر۔ امتت بہ انا و ابوبکر و عمر۔

شیخین کی دو عجیب خصوصیتیں

شیخین کی ایک عجیب خصوصیت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں شیخین یعنی ابوبکر و عمر کو اپنے ساتھ ماکر ذکر فرمایا ہے جس سے ان دونوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحصار خاص صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے سوائے ان دو بزرگوں کے اور کسی صحابی کو حضور نے اپنے ساتھ ماکر ذکر نہیں فرمایا اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور قرین رہے۔ اور ایک ہی جگہ میں شیخین مدفون ہوئے۔ یہ دو شرف ہے کہ جو سوائے ابوبکر اور عمر کے اور کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں حضرت شیخین کی تمام صحابہ کے درمیان ایک عجیب شان ہے ابوبکر صدیق اور صادق اعظمؓ یہ دونوں حضرات گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خاندان ہیں اور اپنی صحابہ ہر اور ہم شر ہوئے کی نسبت دیکھتے ہیں اور اولاد امت کا دہلی کیا دخل ہے۔ (املاذ کتاب ۷، ۴۷۲ قول)

شیخین کے بعد ختنین کا مرتبہ ہے

شیخین یعنی ابوبکر و عمر کے بعد۔ ختنین یعنی عثمان غنی اور علی رضی اللہ عنہما کا درجہ

ہے۔ ابو بکر اور عمر کو شیخ کہتے ہیں اور جن فنی اور علی مرتضیٰ کو حنبلین کہتے ہیں۔ فنی کے معنی والدہ کے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ سے اور جن فنی کو ذی النورین بھی کہتے ہیں (اور والدہ) چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیگرے وہ صاحبزادوں یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم حضرت جن کے نکاح میں آئیں ان کے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

حضرت مزلے اپنی شہادت کے بعد اصحاب خلیفہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک مجلس شوریٰ مقرر فرمائی اور خلافت کو ان چھ آدمیوں میں داخل فرمایا کہ ان چھ میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ ہر ایک ان میں سے خلیفہ ہونے کا اہل ہے وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت جن فنی، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

حضرت عمر کی وفات کے بعد یہ چھ آدمی جمع ہوئے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور عمر اور زید اور سعد یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ اس وقت استحقاق خلافت میں جن اور علی سے بجز اور کوئی نہیں۔ اور اس دن میں سے اصحاب خلیفہ کا کام عبدالرحمن بن عوف کے سپرد کیا۔ عبدالرحمن نے حضرت جن ذوالنورین سے اور حضرت علی سے کہ تم اپنے اپنے گھر پہنچ جاؤ میں مشورہ کر کے اعلان دوں گا۔ جب یہ دونوں حضرات اپنے اپنے گھر پہنچ گئے تو عبدالرحمن ہر ایک کے پاس خطبہ پڑھ کر ہر ایک سے اس کا وعدہ اور پیش کیا کہ اگر دوسرے کو خلیفہ بنا دوں تو تم بھی اس کی خلافت کو تسلیم کر کے اور جس کے ہاتھ پر بیعت کروں تم بھی اس کے ہاتھ پر بنا تاخیر بیعت کرو گے۔ جساکہ صحیح بخاری ص ۷۷ کتاب النکاح باب کیف یجاءل الکلام الناس اور ترمذی جلد ۱۰ صفحہ ۷۷ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بیعت میں ایک خاص شرط

حضرت عبدالرحمن بن عوف نے جن فنی کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت بیعت

میں یہ شرط بھی لگائی کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس کو قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرنا لازم ہو گا اور اپنی تمام کوشش اور جدوجہد مسلمانوں کی فلاح اور بہبود اور دینی اور دنیوی ترقی میں صرف کرنا ہوگی اور بیعت یحییٰ ابو بکر و عمر کی حیثیت اور بخاری اس کو کہنے ہوگی اور اپنے نیک خلافت میں ابو بکر و عمر کا ہر طریقہ قاسم ہو چکا ہو گا دیکھ بخاری شریف ص ۷۷۔ بعد

حضرت انساں عبدالرحمن بن عوف نے اصحاب صحابہ اور صحابہؓ اور انصار سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت جن کو خلیفہ مقرر کیا۔ تمام حضرات مجمع کی نماز میں حاضر تھے نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمن نے حضرت جن سے کہا کہ اے جن میرے چچا کر چھو اور مجمع سے عقبہ ہو کر کہا کہ میں نے ان واقعات میں تمام صحابہؓ اور انصار سے مشورہ کیا سب کو اس پر متفق پایا کہ اس وقت جن فنی سے بڑھ کر کوئی خلافت کا اہل اور مستحق نہیں اس لئے میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ نے بیعت کی بعد انساں کل صحابہ نے حضرت جن کے دست حق پر بیعت کی اور اس طرح باقی صحابہ حضرت جن فنی خلیفہ مقرر ہوئے۔

حضرت جن فنی کے بعد تمام صحابہ نے حضرت علی کو سب سے افضل اور اکمل سمجھ کر اپنا خلیفہ مقرر کیا اہل سنت و اہل باطل کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی مرتضیٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کی بنا پر خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ کر خلیفہ کیا کہ جن فنی کی شہادت کے بعد دوسرے زمین پر علم اور فہم اور دوسرا اور تقویٰ اور امانت اور عدالت میں حضرت علی سے بڑھ کر کوئی نہیں اور ان کے زمانہ میں جو اختلافات پیش آئے وہ استحقاق خلافت اور امانت میں نہ تھے۔ ان کا افضل اور اکمل ہونا اور سب سے زیادہ مستحق خلافت ہونا سب کو مسلم تھا بلکہ ان اختلافات اور نزاعات کا خاتمہ تھا انتہائی فنی لوگ حضرت جن کے قاتلوں کی سزا میں جلدی چاہتے تھے اور حضرت علی تاخیر میں مصلحت سمجھتے تھے

بجز حضرت سعد بن ابی وقاص کے چاہتے تھے اور حضرت علی کریم اللہ وجہہ کی

نکیریں ہائی تھے۔ ہائی اگر ہتھیار ڈال دے تو اس سے ننگہ بھوک میں کے ہونے فعل کا قصاص اور جان نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نظر نہایت دقیق اور بینش غمی اور وی حق پر بھی تھے۔

فائدہ جلیلا:

قال الشيخ الامام ابو الحسن الاشعري ان تفصيل بن بکر نہ عمر بنی بنیة الامامة قطعاً۔ امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اور ہر حضرت عمر کی تمام بات پر فضیلت قائل ہے۔

لیکن حضرت عثمان کی فضیلت حضرت علی پر اس وجہ کی قائل نہیں اگر اربعہ محدثین کا مذہب تو یہی ہے کہ حضرت عثمان حضرت علی سے افضل ہیں اور بعض علماء نے حضرت علی کی کثرت مناقب کی وجہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفصیل میں توقف کیا ہے۔ قاضی میاض فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس بارہ میں توقف منقول ہے لیکن بعد میں توقف سے حضرت عثمان کی تفصیل کی طرف رجوع فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

هو الاصح انشاء الله تعالى يعني حضرت عثمان کا حضرت علی سے افضل ہونے کا قول ہی صحیح ہے۔

بعض علماء کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک عبارت سے توقف کا گمان ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے۔

من علامة السنة والجماعة تفصيل الشيوخين ومحبة الحسنين يعني شیعین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو فضیلت دینا اور حسنین حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت کرنا اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔ امام اعظمؒ کا اس عبارت سے یہ مفہود نہیں کہ آپ کو حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفصیل میں کوئی توقف تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کے ناز و عنایت میں چونکہ تھے اور نہ

ظاہر ہونے تو امت سے لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے کدورت نہ تھی۔ اس کدورت کے ازالہ کے لئے امام اعظم نے ان کے حق میں لفظ محبت کا استعمال کیا اور ان کی محبت اور دوستی کو سنت کی علامت قرار دیا۔ مثلاً دکان امام اعظم نے یہ لفظ توقف کی جگہ استعمال نہیں کیا اس لئے کہ امام اعظم اور ان کے تمام اصحاب اور تمام فرقہ وندیہ کی تفریق سے کتب حلیہ بھری پڑی ہیں کہ عقائد راشدین کی فضیلت ان کی عنایت کی ترتیب پر ہے۔ بالخصوص شیعی کی فضیلت قائل اور یحییٰ ہے اور حضرت عثمان کی فضیلت اس سے نکرتے ہیں اس لئے فقہاء نے حضرت عثمان کی فضیلت کے منکر کو شیعی کی فضیلت کے منکر کے برابر نہیں قرار دیا بلکہ کچھ فرقہ رکھ ہے۔

عقیدہ سوم

فقہاء راشدین کے بعد ان صحابہ کا مرجع ہے جن کی بیعت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ جن کی یہی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں تمام جنت کی بشارت دی وہ اس ہیں۔ چار علماء راشدین اور بقیہ چھ کے نام یہ ہیں۔ سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید اور طہ اور زبیر رضی اللہ عنہم۔

یہ دس حضرات تمام امت میں سب سے ممتاز اور افضل ہیں۔ قریش کے سردار ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ دین اسلام کے راہنما لیکن میں سے ہیں ان کی عبادتی جہیزت و جاہت اور ان کے ذاتی فعاصل اور انصاف اور خاص اور کلمات اسلام کی تقویت کا باعث بنے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان و جان سے اسلام کے مہین اور دعا گو رہے اور ہر فرد اور ہر سرگرم میں مسرور و مسرت ماب کے ہم رکب رہے ان دس حضرات کے بعد سے اسلام کا جو وقت نکلی وہ کسی اور سے نہیں پہنچے۔

چونکہ یہی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت میں ان تمام حضرات کا بعد لے

لے کر جنت کی بشارت دی اسی لئے ان کو عرشِ مہشور کہتے ہیں۔ دوسرا انفرادی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس کے سوا اور حضرات کو بھی جنت کی بشارت دی ہے جیسے حضرت سیدۃ النساء خاتمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور امام حسن اور امام حسین اور حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حضرت سلمان اور حضرت صہب اور حضرت ثار بن اسیر رضی اللہ عنہم۔ عرشِ مہشور کی بشارت درجِ شہرت کو پہنچ چکی ہے اور ان حضرات کی بشارت انہارِ اعداء کے درج میں ہے اور ظلمہِ رافضیہ کی بشارت درجِ قاتل کو پہنچ چکی ہے۔

عقیدہ چہارم

عرشِ مہشور کے بعد اہلِ بدر کا درجہ ہے جن کے حلقہٴ حدیث میں آیا ہے۔
 ان اللہ قد اطلق علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرتکم

تحقیق اللہ تعالیٰ مطلق ہوا اہلِ بدر پر پس فرمایا اسے اہلِ بدر تم جو چاہتے ہو عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ہجرت کے بعد غزوہ بدر پچاس غزوہ ہے جس میں اسلام کو خاص عزت اور تکرار کو خاص دالت حاصل ہوئی۔ اس غزوہ کے جہادین تین سو تھے جو رسولوں کا ہونے کو یا کہ جہادین بدر کو بقیہ صحابہ کرام سے فضیلت اور درجہ میں دی نسبت ہے جو حضرت مرسلین کو حضرت انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا لَنُعْظِرُکُمْ لَیْسَ لَنَا اَدْبَارُ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بدر کی نصرت اور امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتارے۔ اہلِ بدر کے تین سو تھے انہیں کا گروہ چونکہ حضرت مرسلین کے حلقہٴ قدم پر تھا اس لئے ان کے سے یہ عہم سمجھا کہ تم جو چاہتے کہ۔ یہ لہذا ہر کس دیکھو کہ میں ہو سکتی اس کا خطاب انہیں پاک اور محض بدلوں کو ہو سکتا ہے جس کے قدم کی جہادِ محبت میں پاری نہ دن

استقامتِ جہاد ہو چکی ہو۔ رضی اللہ عنہم ورضوانہ

عرشِ مہشور بھی بدر کی لڑائی میں شریک تھے سوائے جن فوجی کے کہ وہ شریک ہونے کے لئے تیار تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت وحیدہ (جو حضرت جناب کی نذیبہ میں تھیں) کی حالت اور بیماری کی وجہ سے حضور کے عہم سے جنت میں رہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہلِ بدر میں شمار کیا اور بدر کی قیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا۔

چونکہ اہلِ بدر کا مرتبہ عرشِ مہشور کے بعد ہے اس لئے عرشِ مہشور کے لئے مراحت اور وضاحت کے ساتھ نامِ جہنم جنت کی بشارت تھی اور اہلِ بدر کے لئے مغفرت کے عنوان سے بشارت تھی اور کسی کا نام لے کر بشارت نہیں دی۔ اہلِ بدر کے بعد اہلِ اعداء کا مرتبہ ہے۔ اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دھنِ مبارک شہید ہوا اور سیدۃ النساء حضرت حمزہ اور ستر صحابی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اور عرشِ مہشور بھی اعداء میں شریک تھے۔

اہلِ اعداء کے بعد اہلِ بیعت الرضوان کا درجہ ہے۔ بیعت الرضوان اس بیعت نام ہے کہ جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی جس کے بارے یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبْعُوكَ نَحْتِ الشَّجَرَةِ فَعَبُوْهُ
 تَارِفِي قُلُوْبِهِمْ

جب تحقیق اللہ تعالیٰ رضی ہوا ان اہلِ ایمان سے جنہوں نے درخت سے چنبھ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے انعام کو خوب بہنا ہے۔
 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلی انعام کی خبر دی ہے اور اسی دلی انعام پر خوشنودی کا یہ دلائل عطا فرمایا لہذا انہیں کا یہ گنا کہ مولا اللہ۔ صحابہ کا ایمان محض ظاہری طور پر تھا اور دلی سے وہ مومن نہیں ہوئے تھے جب نہیں کہ قبیضۂ تَارِفِي قُلُوْبِهِمْ کا لفظ فیصلوں کے اسی دوسرے کے لڑائوں کے لئے نازل کیا ہو۔

فائدہ: انصافیت کی یہ ترتیب جو اب تک بیان ہوئی وہ مجمع علیہ ہے اس کے بعد تمام صحابہ کا حلقہ ان کے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے کما قل نقلی انہ
اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْفَکُمْ

عقیدہ پنجم

حضرت سید طاہر الزہرا جنت کی تمام عورتوں کی سربراہ ہیں اور امام حسن اور
حسین جنت کے جوانوں کے سربراہ ہیں اور حضرت طاہر کے بعد ان کی والدہ محترمہ
حضرت خدیجہ الکبریٰ اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ اور پھر سب اصحاب
المؤمنین کرام و دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔
اور صحابہ کرام کی عورتوں کے بارے میں صحابہ کے مراتب کے اعتبار سے اعتقاد
درجہ ہیں۔

عقیدہ ششم

صحابہ کرام کے درمیان جو چالی اہلکات اور نزائیات ہیں ان سے جیسے جمل اور
منین کا جھڑاؤ کو نیک و بد پر محمول کرنا چاہئے اور وہاں اس اور حب ملو اور حب
دباست اور طلب رخصت سے اس کو دور رکھنا چاہئے کیونکہ یہ نفس لامرہ کی کینہ اور
راہیل نصیبتیں ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس۔ حضرت خیر ابتر صلی اللہ علیہ وسلم کی
صحت کیا اثر کی برکت سے ہوا وہ اس اور حرص اور کینہ اور حب ملو اور حب ملو
سے تینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے اسی وجہ سے تمام امت کا اہتمام ہے
کہ بزاروں بزار جید اور بزاروں بزار شعی اور پانچ ایک اور انی صحابی کے تعلق پاکو نہیں
پانچ سیکھ صحابہ کرام کے نفوس اگرچہ حضور کی صحبت کی برکت سے نفس لامرہ کی راہیں
اور کینہ غصیٹوں سے پاک ہو چکے تھے لیکن صحابہ کرام بشر اور انسان تھے۔ ملائکہ
اور انبیاء تھے جو ظلی سے معصوم رہے مختلفہ بشریت ابتدائی ظفا کا واقع ہو رہا

ثانی تقویٰ اور ورع کے معنی میں قل نقلی
اِنَّ الشَّقِیْقِیْنِ فِیْ سَبَابَاتٍ وَ عِلْوٰنٍ اَدْخَلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِیْنٍ وَ تَرَعَتْ
مَرَاتِنَ صَلَوٰرِہِمَ بِنِ عِلٰی اِخْوَانًا عَلٰی سِرِّ شَفَقًا یٰلِیْنِ

حقائق اور بلاشبہ پر تیز نگاہ لوگ جنت کے بہانوں اور چٹھوں میں ہوں گے اور ان
سے کما جائے گا کہ جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جائے اور ان حق تعالیٰ اور
پر تیز نگاہوں کے سینوں میں اگر کوئی دین اور کدورت ہوگی تو اس کو ان کے دل سے
نکل دینا دے گے گھس بھٹی ہوں گے اور گھسوں پر تیز سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی حقیقیوں اور پر تیز نگاہوں کے دلوں میں بھی
چھٹی رنجش اور کدورت ہوتی ہے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کدورت ان کے لئے معز نہیں ہوتی
نہ ان کے تقویٰ کے معنی ہوتی ہے اور نہ جنت میں جانے کے لئے عارض ہوتی ہے
اسی بنا پر حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میں اور طہ اور زہرا انیس
لوگوں میں سے ہوں گے۔ یہی مشاہدات صحابہ کو اس آیت کے باعث سمجھو۔ دونوں
کردہ حق تعالیٰ تھے دونوں جنت میں جائیں گے ان کی صبح بھی حق تعالیٰ کے حق تعالیٰ اور ان کی
نوائی بھی حق تعالیٰ کے لئے حق تعالیٰ کردہ نے اعتقاد کے مطابق عمل کیا جس پر صیب
ہے اس کے لئے داہر ہیں اور جو معطلی ہے اس کے لئے ایک اجر ہے ہر معاملہ
صیب ہو یا معطلی ملامت سے ہر طرح دور ہے درجہ ثواب اور اجر میں فرق
ہے۔

ان نرائیوں میں حق حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی جانب قرار ان کے لائق ظفا
تھے لیکن یہ ظفا ظفا اعتقادی حق تعالیٰ پر طعن اور ملامت ہرگز ہرگز جہاز نہیں چہ
چونکہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد
ہے کہ یہ عداوت بھٹی ہیں انہوں نے ہم پر جنت کی ہے یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق
بھٹی ظفا جہی کی وجہ سے کفر اور فسق ان کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا اس لئے
کہ یہاں ہونے کا اصل ظفا حضرت علیؑ کا نقل اور ان کے قاتلوں سے قصص کا طلب

کہا کہ حضرت علی اور حضرت زبیرؓ ہر اول مہینہ سے لے کر وہ اسی تاریخ قصاص سے
ہمٹ گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی موافقت کی اور ہر ہفت ہنگ تک پہنچی
اس ہنگ کو ہنگ جمل کہتے ہیں اس کے بعد حضرت معویہ کے ساتھ ہنگ نہیں
ہوئی۔ یہ تہم بھڑا حضرت عثمان کے قاتلوں کے قصاص کے بارے میں قماربازی کے
بارہ میں نہ تھا۔ حضرت علی کی اہلیت اور تحقیق خلافت سب کو مسلم تھا۔ علامہ
نکستزانی فرماتے ہیں۔

وما وقع من المخالفات والمعاربات لم یکن عن نزاع فی
خلافتہ بل عن خطا فی الاجتهاد
حضرت علی اور حضرت معویہ کے درمیان جو لڑائی بھڑے پیش آئے وہ خلافت
کے بارے میں نہ تھے بلکہ اشتقاقی طعنے کے جب سے تھے۔
اور عائشہ خیالی میں ہے:

فان معاویة واحزابہ بغوا عن طاعته مع اعترافہ بانہ افضل منہ
زمانہ الاحق بالامامة بشبهة ہی ترک القصاص عن قتلة عثمان
رضی اللہ عنہ

حضرت معویہ اور ان کے گروہ نے حضرت علی کی اطاعت سے انحراف کیا
بادجو دیکھ وہ سب اس کے مقرر اور معترف تھے کہ حضرت علی اپنے تمام اہل زمانہ سے
افضل ہیں اور سب سے زیادہ خلافت اور امانت کے مستحق ہیں۔ باوجود اس اعتراف
کے ان کا اطاعت سے انحراف ایک شہ کی بنا پر تھا وہ یہ کہ حضرت علی حضرت عثمان غنی
کے قاتلوں سے فی الفور قصاص کیوں نہیں لیتے۔

اور اس مسئلہ میں حضرت معویہ پر حضرت علیؓ کی مذہوریت مشکوک نہ ہوئی اور
حضرت علیؓ کی اس تاریخ کو قاتلوں اور قاتل کما حقہ اس نے حضرت معویہؓ نے حضرت علی
کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور ہم برحق کے قاتلوں سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم
کہا۔ علامہ نقشبندی فرماتے ہیں۔

حضرت علیؓ سے بیعت ہے کہ اخیر وقت میں اس لڑائی سے ان کی رائے ہے۔
میں اور آخر حق میں حضرت علیؓ کے ایک دوست پر نعرہ بازی تو یہ فرمایا کہ اپنا ہاتھ لگاؤ
کہ امیر المؤمنین علیؓ کے لئے بیعت کروں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ہاتھ دیا۔ حضرت علیؓ
نے حضرت علیؓ کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات میں
ہے کہ ”تب ہنگ جمل کو یاد کرتیں تو انکا زار و قطار مدینہ کی گلیوں میں آج بھی ہے۔“

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو بھی حضرت علیؓ اور زبیرؓ کی شہادت کا خاص طور پر
مصدق تھا اور جن لوگوں نے حضرت علیؓ کا قتل کیا حضرت علیؓ جب ان پر عتاب نہ
تو یہ بھلا گناہ کا تعاقب نہیں کیا اور نہ ان کے دل کو مہلح قرار دیا۔ حضرت علیؓ ان کو
مسلمان کہتی سمجھتے تھے۔

عقیدہ تقدیر کا بیان

قضاء و قدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان بقدر کے معنی یہ ہیں کہ اس بات کا یقین اور اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر اور شر کو اور ایمان اور کفر کو اور ہدایت اور ضلالت کو اور خلافت اور معصیت کو مقدر فرما دیا ہے اور اس کو کچھ دیا ہے اب عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو پہلے ہی سے علی وجہ الکلی و اخصاص اس کا علم تھا۔ قدر کے معنی قلت میں اندازہ کرنے کے ہیں مثلاً اگر مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقش تیار کر لیتے ہیں تاکہ مکان کی عمارت اس نقش کے مطابق بنائی جائے۔

اسی طرح حق جل شانہ نے جب اس کا رخلذ دنیا کے بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم الہی میں اس عالم کا نقش بنالیا اور ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ لگا لیا پس اس اندازہ کو اللہ تعالیٰ اور نقش بنائی کا ہم قدر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم الہی میں اندازہ کر لیا کہ فلاں وقت فلاں مکان میں فلاں شے اس طرح ہو گی اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت تک کفر کرے گا وغیرہ وغیرہ کا کل خلقی قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ اور ہر حق تعالیٰ کا اس کا رخلذ عالم کو اپنے نقش اور اندازہ کے مطابق بنانے اور پیدا کرنے کا ہم قضاء ہے اور لغت میں قضاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں کا قال تعالیٰ ففصلاھن سبع سموات۔

پس اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قضاء و قدر حق ہے اور کوئی ذرہ اس کی قدر سے باہر نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قضاء و قدر کو کوئی نیل

کے یا اس کو آگے یا پیچھے کر سکے۔

پسلا اشکل

جب ہم کچھ اشک سے ہوتا ہے مقدر ہو چکا ہے تو یہ لاکھ چاہے کہ میں ایک ہوں مگر جب تک لفظ کو بخور نہ ہو کچھ نہیں ہوتا اور مشعلہ بھی ہے تو پھر انسان کا اختیار کمال باجس پر ہوتا ہے۔

جواب

بعض علوم ایسے ہوتے ہیں کہ حقیقت میں بدلی ہوتے ہیں (یعنی ہر شخص ان کو سمجھتا ہے اور محسوس کرتا ہے) لیکن غور و غوض کرنے سے نظری ہو جاتے ہیں کہ بہت سی غور و فکر کا پڑتا ہے۔ مثلاً دن رات ہر وقت کوئی نہ کوئی خیال اور بات دماغ میں آتی رہتی ہے اور اس کا مشعلہ ہوتا ہے لیکن اگر اس پر غور کرنے لگیں کہ بات کے ذہن میں آنے کی کیا صورت ہے؟ اور وہ بات اور چیز ذہن میں آتی ہے وہ ذہن میں آنے سے پہلے کبھی تھی اور پھر ذہن میں کیسے چلی گئی۔ پھر ذہن میں جانے کے یہ معنی؟ وہاں پیدا ہو گئی یا باہر سے چلی گئی اور پھر ذہن میں خیال اور باتیں ذہن میں جاتی ہیں کیا یہ دماغ میں برابر رہ رہی جاتی ہیں یا دور سے رکھی جاتی ہیں۔ پھر پہلی صورت میں آتی ہزاروں چیزوں کے ذہن میں آنے کی جگہ کمال ہے اور دوسری صورت میں وہ حقیقت یہیں نہیں ہو جاتی جس طرح کلمہ پر ایک عبارت تھی کہ کراہی ہے دوسری پھر اس پر تیسری عبارت تھی کہ وہی جانے تو ایک بھی نہیں پڑتی جاتی۔ یہ سب غور و غوض کرنے سے یہ سب سوائت پیدا ہوتے ہیں جن کا حل یا دوا خواہ ہے لیکن اگر غور و غوض نہ کیا جائے تو حقیقت بالکل بدلی ہو رہی ہے کہ ایک چیز پہلے مشکف ہو گئی۔ اس میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے اور نہ کسی کو اس کے وقوع سے انکار ہے۔ اور اگر کوئی شبہ یا انکار کرے تو احمق سمجھا جاتا ہے کہ اتنی بدلی اور واضح چیز کا انکار کرتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض باتیں اور علوم اس شان کے ہوتے ہیں۔

مسئلہ تحریر بھی اسی قسم کا ہے کہ حقیقت اس کی عقل اور نقل دونوں کے اعتبار سے نہایت واضح ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے علم اور ارادہ انہی کا عالم کے واقعات اور حادثات کے ساتھ متعلق ہوتا ہے کہ نقل (یعنی قرآن و حدیث) کی طرح عقل سے بھی ثابت ہے جس میں نہ افکار کی سمجھناں ہیں نہ شبہ کی سمجھناں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی علم و ارادہ دو طرح کی چیزوں کے ساتھ متعلق ہوتا ہے ایک تو ان چیزوں کے ساتھ جو شرعاً اور عقلی اعتباری کمالی ہیں دوسرے ان چیزوں سے جو غیر اعتباری کمالی ہیں۔

یہ اعتبار بھی ایسی ہی چیز ہے جس کی حقیقت اس قدر ہمکنش ہے کہ جانور تک اس کو جاننے میں پہنچے اگر کوئی کتے کو نکڑی سے بندے کو دو مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نکڑی پر حمل نہیں کرتے تو جانور سمجھ میں وہ بھی فرقی سمجھتا ہے۔ یزیدی حملوں سے بندے سے اعتبار کی نفی کرتا ہے اگر اس کا کوئی نوکر بگاڑ دے تو میں اس وقت جب کہ وہ زبان سے اعتبار کی نفی کر رہا ہوتا ہے یہ اپنے اندر اس عام پر نصب پاتا ہے کہ تو اپنے اعتبار سے اس کام کے بگاڑنے سے بچ سکتا تھا تو نے اعتبار سے کام نہیں لیا۔

تو حقیقت اس کی ایسی ہمکنش ہے لیکن اگر اس میں زیادہ غور و خوض سے غم یا جانے اور تحقیق کے درپے ہوں تو وہی حقیقت نفی ہو جاتی ہے۔ اس لئے شریعت نے نہایت شفقت سے اولاً اعتقاد رکھنے کو فرض قرار دیا اور غور و خوض کرنے سے منع فرمادیا۔

دوسرا جواب

گو بندے کے افعال کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تحریر اور ارادہ کا متعلق ہے اور اس متعلق کا اثر یہ ہے کہ اس مقدمہ کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا لیکن ایسے متعلق سے بھی بندے کے اعتبار اور قدرت کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ متعلق اس طرح ہے کہ غلام غرض غلام کام فلاں وقت اپنے اعتبار و قدرت سے کسے تک تو تحریر جس طرح

بندے کے فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اسی طرح اس کی قدرت و اعتبار کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے۔ سو اگر تحریر کے متعلق سے اس فعل کا ہونا لازمی ہوتا ہے تو اسی متعلق سے بندے کے اعتبار اور قدرت کا وجود بھی لازم ہوتا۔ تو مسئلہ تحریر سے اعتبار و قدرت کی نفی کے بجائے اس کا وجود اور زیادہ موکد ہو گیا۔ لہذا یہ شبہ نہ رہا کہ جب بندے کو قدرت و اعتبار میں ہمکنش ہے کیا اثر ہے۔

لیکن یہ جواب بھی صرف مسکت ہے کیونکہ اگر اس کی کہ اور حقیقت میں غور و خوض کیا جائے تو شبہ باقی رہتا ہے۔ لہذا اصل جواب یہاں ہے کہ تحریر اور اعتبار کا مسئلہ اصل میں نفی و ہمکنش ہے اور عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے جتنا ضروری ہے اور خوض سے پہلے اس میں کوئی افکار نہیں۔ اور خوض کرنے سے چونکہ افکار پیدا ہوتے ہیں جن کا نہ دور کا حکم اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ ہے اس لئے خوض سے ممانعت فرمادی گئی اور بوجہ مصر ہونے کے متناہی بھی ممانعت ہو گئی۔

دوسرا افکار

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ علیم کل اور عالم الغیب ہے۔ اس کا عالم الغیب ہوتا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اسے مستقبل کے ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا علم حاصل ہے لہذا ہر کام کے لئے ایک طریق کار عمل اور وقت مقرر ہو گیا۔ ہمارا اگر ذیہ نے ہر کام کے قفل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بھی خبر تھی اور اس نے ہر کام کو قفل کیا۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں قاضی اسے معلوم تھا کہ ذیہ ہر کام کو قفل کسے گا اور اسی طرح اس کام کو ہونا چاہئے قاعدہ علم الہی باطل ٹھہرتا ہے۔ جب ہم خدا تعالیٰ کے اس علم غیب کو ہر انسان کے مستقبل پر متبذہ کرتے ہیں تو ہمیں انسان کو مجبور حملہ مانا پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی صفت پر ایمان رکھنا فطری غریب (جسے FATALISM) کو ماننے کے حوالہ ٹھہرتا ہے۔ اب اس FATALISM (جسے) کا نام سنتے ہی ہم اپنے آپ کو اس عقیدہ سے بری لگندہ قرار دیتے ہیں اور

کہتے ہیں میں اپنے فضل میں ہم خود غلہ اور دانہ دار ہیں جیسا چاہیں کر لیں۔ اس حالت میں خدا کو دانہ سے فضل کے علم سے تعویذ پائے غلہ پٹا چڑتا ہے۔ عاودہ انہیں خدا کو عالم الغیب مان کر ہم دعا مانگتے کہ بھی ہے کار کئے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ ہر کام کو اسی طرح ہونا چاہیئے جیسا کہ اس کے حلقہ خدا تعالیٰ کو علم ہو چکا ہے معذرتہ وہ خود بھی اپنے علم کے خلاف نہ کہ انہی سے مکمل ہے آئندہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ ہم خدا سے مرعوب ہیں۔

جواب

یہ یقین ہے کہ اختیار کا وجود بدلیا بلکہ حسی و مشاہدہ اور ہر چیز حقیقی بدلیا اور حسی ہو اس کی حاکمیت میں اگر غیر حقیقی دلیل کو نامیں تو بدایت و حس کی غمی نہیں کرتیں بلکہ دلیل کو غلط کہیں گے اگرچہ دلیل میں قطعی کی تعین نہ کر سکیں۔

حکما اگر ریاضی کی دلیل سے معلوم ہو کہ غلہ تاریخ فلان وقت غلہ مقام میں پورے سو دن کا سن ہو گا لیکن مشاہدہ سے سن کا عدم وقوع ثابت ہو تو مشاہدہ کو غلط نہ کہا جائے گا بلکہ یہی کہیں گے کہ حساب میں قطعی ہو گئی گو یہ تعین نہ ہو سکے کہ کبھی قطعی ہوئی اور کیا قطعی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہمیں جب اختیار کی غمی کی دلیل لائے مگر اختیار کا وجود حقیقی اور حسی ہے ہر شخص اپنے آپ کو خود غلہ دانہ ہے کسی کا پائے نہیں پاتا تو ہم دلیل ی کو غلط کہیں گے خواہ وہ قطعی کچھ ہی ہو۔ حقا افضل میں مذکور دلیل میں یہ قطعی ہے کہ علم ہادی قطعی ہو واقعہ عقل کے ساتھ حلقہ ہوا ہے کہ یہ عقل حلقہ کے اختیار کے ساتھ ہو گا تو اس سے تو اختیار کا وجود اور زیادہ ہو گا ہو کیا نہ کہ معصوم ورنہ خلاف علم اعلیٰ لازم آئے گا کہ عقل تعالیٰ کے علم میں ہے کہ عقل اپنے اختیار سے عقل کرے گا اور مذکورہ دلیل کی بنا پر لازم آئے گا کہ عقل حلقہ مجبور ہو کر عقل کرتا ہے۔

تیسرا اشکال

جب بدو کا ارادہ و اختیار خدا کے ارادہ و اختیار کے تابع ہے تو انسان مجبور ضرور ہے ایک ذی اختیار میں قدرت نہیں ضرور۔

جواب

انسان کا ارادہ و مشیت اس کی ایک صفت ہے اور چوتھا تمام صفات قریع ہوتی ہیں وجود کی۔ انسان اول موجود ہے پھر ارادہ و اختیار ہے اگر موجود نہ ہو تو ارادہ و اختیار بھی حاصل نہ ہوتا۔

اب سمجھئے کہ اسلام کی یہ تعلیم کہ انسان کا ارادہ و مشیت خدا تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے تابع ہے وہی ہے جس سے یہ تعلیم ہے کہ انسان کا وجود خدا کے وجود کے تابع ہے۔ جس طرح انسان کا وجود ظہور وجود الہی کے نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا ارادہ بغیر ارادہ خدا تعالیٰ کے نہیں ہو سکتا۔

اب اگر انسان کے ارادہ کو ارادہ خدا تعالیٰ کا تابع ماننے سے اس کا مجبور ہونا اور اس کے ارادہ کا معصوم ہونا لازم آئے تو چاہئے کہ انسان کے وجود کو خدا کے وجود کا تابع ماننے سے انسان کے وجود کا معصوم ہونا بھی لازم آئے کیونکہ جہو اضطرار اسی طرح ارادہ و اختیار کی ضد ہے جس طرح عدم وجود کی ضد ہے مگر انسان کے وجود کا وجود الہی کے تابع ہونا ہر عقل تسلیم کرتا ہے اور بخود تابع ماننے کے سب اس کو معصوم سمجھتے ہیں۔ تو اس کی کیا وجہ کہ انسان کے ارادہ و اختیار کو خدا کے ارادہ و اختیار کے تابع ماننے سے اس کا مجبور و معصوم ہونا لازم آئے۔

بندوں کی قدرت و اختیار کا بیان

قرآن پاک میں ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق۔ پس ہر چیز بندہ کی طاقت و

استطاعت سے باہر ہو عام ہے کہ وہ فی نفسه مستحيل (IMPOSSIBLE) ہو جیسے
معدن کا بیج کرنا شفا ایک وقت کھڑا ہونا اور بیٹھنا یا فی نفسه ممکن ہو لیکن بندے
سے نہ ہو سکے شفا جو شخص کسی عارضہ کی وجہ سے کھڑے ہونے سے بالکل عاجز ہو
اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کے کرنے کا حکم بندے کو نہیں دیتا۔
استطاعت کے دو معنی ہیں۔

پہلا معنی

سلامتی کائنات و اسباب

اس معنی میں استطاعت پر ایمان کے معکلف کئے جانے کا دار و مدار ہوتا ہے۔
جو شخص جس چیز کے لئے کائنات و اسباب میں رکھا اس کو اس کام کی استطاعت نہیں
تھا اللہ تعالیٰ اس کو وہ کام کرنے کا حکم نہیں دیتا اور جس چیز کے کائنات و اسباب
رکھا ہو گا اس کو اس کام کی استطاعت ہے لہذا اس کے کرنے کی اللہ تعالیٰ بندے کو
تکلیف دیتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وَلَئِذَا عَلَى النَّاسِ مِنْ حَيْثُ الْيَبِيتُ
الاستغفار إِلَيْهِ سُبُلًا یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جن مصلحتوں پر کہ کعب تک جانے کی
طاقت دیکھتے ہیں حج فرض ہے۔

دوسرا معنی

وہ قدرت حقیقی جو کام کرنے کے وقت پائی جاتی ہے۔

اس قدرت کے سبب سے بندہ افعال اختیاری کو کرتا ہے اور اگر یہ قدرت نہ ہو
تو وہ افعال اختیاری نہ کر سکتے غرض افعال کے لوازمات میں سلامتی اسباب و کائنات
کے بعد یہ قدرت شرط ہے۔
اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے اسباب و کائنات کی سلامتی جب
بندے کو حاصل ہو اور بندہ اس کام کو کرنے کا حکم ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کام کو
کرنے کی قدرت بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔ اگر بندہ ایک کام کرنے کا ارادہ کرے

ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیک کام کرنے کی قدرت عطا فرما دیتے ہیں اور جسے کام کا قصد
کرتا ہے تو اس کو جسے کام کی قدرت عطا دیتے ہیں۔

پس جس وقت چارے چوری کا ارادہ کیا اور اللہ نے حسب طاقت اس کو اس کی
قدرت دی تو گویا اس چارے نے نیک کام کی قدرت زائل کر دی کیونکہ اگر اس چوری کا
ارادہ نہ کرتا بلکہ نماز کا قصد کرتا تو حسب طاقت اس کو نماز کی قدرت عطا ہوتی۔ پس
اسی سبب سے بندہ افعال بد میں دام و مغرب کا مستحق اور افعال خیر میں مدح و ثواب کا
مستحق ہوتا ہے اور ارادے کے سبب سے اس کو ثواب و عقاب ہوتا ہے۔ اہم امر مفید
و حرم اللہ سے محفل ہے کہ قدرت دو مختلف چیزیں (یعنی خیر اور شر) کی صلاحیت
رکھتی ہے پس جس نے فکر اختیار کیا تو اس نے ایمان کی قدرت کو زائل کر دیا کیونکہ
ایک قدرت ایمان کے لئے بھی تھی اس سبب سے عقاب کے قتل ہوا اور اگر اس
قدرت کو ایمان میں صرف کرتا تو ثواب کا مستحق ہوتا۔

بعض افعال مثلاً دعا سے تقدیر و قضا کا بدل جانا

ایک حدیث میں آتا ہے لا یرد القضاء الا الدعاء (دعا قضا کو بیکردنی
ہے) تو جتنا چاہئے کہ تقدیر کے دو درجے میں ایک تقدیر ہریم ہے جو اصل ہے اور اس
میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اور دوسری تقدیر مصلحت ہوتی ہے (یعنی وہ تقدیر جو کسی
مصلحت کے ساتھ مصلحت ہو) اس کی تشکیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض چیزوں کو جب
فرشتوں کو بخیر و بدی چاہی کرنے کے لئے بھیجتا ہے تو ان کے ہارے میں یوں ذکر ہوتا ہے
کہ..... ملائح بعض کے ساتھ ایسا مصلحت کرنا لیکن اگر وہ مثلاً دعا کرے یا حدود
کرسے تو اس کے ساتھ ویسا مصلحت کرنا یہ تقدیر مصلحت کھلائی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے
علم و ارادہ میں ہوتا ہے کہ بلاخر وہ بندہ دعا کرے گا یا نہیں کرسے گا اور اس کے ساتھ
بلاخر (FINALLY) یہ مصلحت کیا جائے گی یہ تقدیر ہریم کھلائی ہے۔ تقدیر مصلحت کے
درجے میں تو تغیر و تبدل ہو سکتا ہے لیکن تقدیر ہریم کے درجے میں کچھ تغیر و تبدل

میں ہوتا جس کو علم کئے ہیں کہ وہ اہل ہوتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے
لا راد لقضاء اللہ کی قضا کو کوئی چیز بھرنے والی نہیں) تو وہ قدر مہرم ہوتی ہے
اور جس کو ہم کہتے ہیں کہ بعض اہل سے بدل چاہتی ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے
لا یرد القضاء الا الدعاء (دعا شہر کو بھیر دیتی ہے) تو اس سے مراد قدر مستقل
ہے۔

سولہ باب

الامت و خلافت

خلافت اور امت کی بحث اہل سنت و الجماعت کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں
سے نہیں لیکن چونکہ وہ افضل اور اہل بدعت نے اس میں بہت الفرقہ و تفریق کی ہے
اس لئے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام (مقاتلہ) میں داخل کر دیا تاکہ حقیقت معلوم
واضح ہو جائے۔

مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس شخص کو دینی اور دنیوی اور سیاسی اور انسانی امور
میں ممتاز دیکھیں اس کو چاہی اتفاق سے اپنا اہم اور غلیظ مقرر کر لیں تاکہ وہ مسلمانوں
کے دینی اور دنیوی امور کا انتظام کرے اس لئے کہ مسلمانوں کے چاہی نزاعات کا
شریعت کے مطابق فیصلہ اور حدود و قصاص کا جاری کرنا اور اسلامی سلطنت کی حفاظت
کرنا اور کانپوں سے جہاد کے لئے لشکر تیار کرنا اور چودوں اور بد معاشرین کا انتظام کرنا
اور ضعیف اور کمزور اور مجبور و معذور مسلمانوں کے معاش اور پرورش کا انتظام کرنا
مظلوم کا ظلم سے انصاف کرنا کمزور کا زور سے حق دلانا وغیرہ یہ تمام امور حقا و
شرعا واجب ہیں اور یہ کام کسی امیر اور حاکم کے بغیر انجام نہیں پاسکتے لہذا مظلوم ہوا کہ
امیر کا مقرر کرنا فرض اور واجب ہے۔

صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصل کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا
کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا امیر مقرر کیا۔ اگر غلیظ اور امیر کا مقرر کرنا شرعا فرض نہ
ہوتا تو صحابہ کرام احتجاج امیر کے مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن پر مقدم نہ
کرتے اور صحابہ کرام کا اتفاق خود ایک مستقل جہت و دلیل ہے۔

اسلامی حکومت کی تعریف

اسلامی حکومت وہ حکومت ہے جس کا نظام مملکت اسلامی شریعت کے تحت اور

اس کے مطابق ہو اور اس کا دستور اور آئین و قانون بھی شریعت کے مطابق ہو اور وہ اپنے آپ کو دین و شریعت کا پابند سمجھتا ہو۔

خلافت راشدہ

اگر حکومت کا کلی و ملی نظام منسلک نبوت ہے ہو تو ایسی حکومت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں اس لئے کہ جو حکومت سراسر منسلک (مطابق) نبوت ہے ہوگی وہ یقیناً راشدہ (سربراہانہ و چاہنے والی) ہوگی۔

اور خلیفہ راشد وہ ہے جو علم اور عمل صالح اور پیرزگاری و تقویٰ میں کسی کا نمونہ ہو۔ ظاہر میں حکمران اور باطن میں اعلیٰ درجہ کا ولی ہو اور اس کی ولایت نبی کی نبوت کا نقش ہو۔ پس جس تن اور بدن میں حکمرانی اور ولایت دونوں جمع ہو جائیں تو وہ تن اور بدن خلیفہ راشد ہے۔

اور اگر حکومت کا نظم و نسق منسلک نبوت ہے نہ ہو تو اگر اس میں عدل و انصاف اور امانت و دیانت غالب ہو تو وہ حکومت حکومت عادلہ کہلائے گی ورنہ حکومت ظالم اور پھانسی کہلائے گی۔

پادشاہ اسلام

پادشاہ اسلام وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو ملک کا مالک حقیقی اور حاکم اصلی جانے اور جانے اور خدا کا بندہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت سے قانون شریعت کے مطابق ملک کا انتظام کرے۔ لہذا اسلامی حکومت کے فرائض روا کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور نبی آخر الزماں پر ایمان رکھتا ہو۔

پادشاہ اسلام کی تعریف میں نائب نبی ہونے کی حیثیت سے انتظام کرنے کی قیہ اس

لئے لکھی تاکہ انبیاء کرام اور خلفائے اسلام میں فرق ظاہر ہو جائے اس لئے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ وَابْنُ مَرْثَدٍ لِّمَنْ لَّا يَكُنْ لَهُ الْإِيمَانُ فَإِنَّهُ يُجَاهِلُ عِلْمَهُ (اور جب میرے رب نے فرشتوں سے کہا ہے ملک میں تمہیں میں خلیفہ بنائے والا ہوں کہ اور بِنَا خَاوِدًا أَنَا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (اے داؤد ہے ملک ہم نے تجھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے) اور خلیفہ اسلام اور پادشاہ اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوتے ہیں اور اسی حیثیت سے آپ کی شریعت کے مطابق حکم چلاتے ہیں۔

تتبع

اگر حکومت زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتی ہو مگر وہ دین و دہشت سے دین لوگوں کے مشورہ سے ملک میں ایسے قوانین اور احکام جاری کرتی ہے جو کتب و سنت اور اہل امت کے صریح خلاف ہیں تو ایسی حکومت حکومت غلط ہے اور یہ دین اسلام کے لئے سم قاتل ہے ایسی حکومت خدا کی مخالفت اور مزاحمت بقدر استطاعت شرعاً حقا قرض ہے بشرطیکہ اس حکومت اور اقتدار کے علم ہو جانے کے بعد حکومت عادلہ اور ریاست صالحہ کے قائم ہو جانے کا یقین یا عین غالب ہو۔ اگر ایسا یقین یا عین غالب نہ ہو تو پھر نبی اللہ صبر کا چاہنے اور اہل امت کی جو بھی کوشش ہو سکتی ہو اس سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

خلیفہ اور امیر کی شرائط

۱۔ وہ مسلمان ہو۔

کسی کافر کو اسلامی سلطنت کا سربراہ اور امیر بنانا تو درکنار کافر کو تو وزارت یا فوجی یا سب کسی قسم کا عہدہ دینا بھی جائز نہیں ہے اور نہ ہی کافروں سے سلطنت کے

سیاسی اور اہم امور میں مشورہ لیتا جاتا ہے۔

۵۔ وہ عقل اور بلاغ ہو۔ بے وقوف اور بلاغ تو اپنی ہی انتظام نہیں کر سکتا وہ سلطنت کا انتظام کیسے کر سکتا ہے۔

۶۔ اس کی کوہائی سلامت اور بصارت درست اور سالم ہو تاکہ حقیقت حال کو دیکھنے میں کوئی اشک نہ رہے۔

۷۔ وہ شجاع ہو اور صاحب راستے ہو۔ آرام طلب ناخبرہ کار اور غیر ذی راستے نہ ہو۔

ایک ایرانی کا کسی پہلی سلطنت پر گزر ہوا تو وہاں کے امیر نے اس سے حضرت محمد رضی اللہ عنہ کے حقائق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔

امیر نا لا یخضع ولا یخضع ہذا امیر (یعنی حضرت محمد رضی اللہ عنہ) نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکہ میں آتا ہے۔

۸۔ وہ عاقل ہو عورت نہ ہو۔ اس پر امت کے مجتہدین کا اجماع ہے اور حدیث میں ہے۔

لن یفلح قوم ولوا امرہم امراء وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہو گی جس نے اپنا نکل انتظام عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔

۹۔ وہ جلیل یعنی انصاف کرنے والا ہو اور امین یعنی سرکاز لائق ہو۔ لائق کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ اور کوئی منصب کسی چال اور غیر سخی کو نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِاَمرِکُمْ اَنْ تُولُوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اٰخِیَہِا وَ اَنَّا حٰکِمُنْہُمْ بَیْنِ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ

لانیں ان کے مابین کو لڑاکو اور لوگوں میں جب کوئی فیصلہ کرنا انصاف سے کرے۔

۱۰۔ وہ قریبی ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الا نفع من قریش۔

۱۱۔ وہ عالم دین ہو اور عقل و دیندار ہو ہمت اور صاحب اتفاق ہو اس نے

کہ اسلامی حکومت کا سب سے اہم اور مقدم فریضہ شہداء اسلام کا اعزاز اور احترام اور ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کی ترویج اور علوم اسلامیہ کو زندہ رکھنا ہے اور یہ باتیں علم دین کے بغیر سرانجام نہیں پاسکتیں اور جو شخص خود عقل اور دیندار نہ ہو گا وہ ملک سے حکم کے قلم اور رشوت ستانی وغیرہ کو دور نہیں کر سکے گا۔

اہمیت کے بارے میں مذہب شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ اہمیت کے لئے عصمت بھی ضروری ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ اہم باقی اور فاعلی اور اہم حسن اور اہم حسین کی اولاد میں سے ہو اور معصوم اور صاحب دینی و اہم ہو کیونکہ معصوم کے بغیر دنیا کے فتنہ و فساد کا افسانہ نہیں ہو سکتا اہل سنت کہتے ہیں کہ عصمت نبوت کا غلط لازمہ ہے۔ سوائے نبی کے کوئی شخص معصوم نہیں۔ خاتم الانبیاء کے بعد کسی کو معصوم اور صاحب دینی و اہم اور ولایت اطاعت جاتا رہا وہ فتنہ نبوت کے انکار اور اجراء نبوت کے ہم معنی ہیں۔ عصمت فتنہ نبوت کے لئے لازم ہے۔ اہم و امیر کا حکم خاتم الانبیاء کی شریعت کو جاری اور نافذ کرنا ہے لہذا اہم و امیر کے لئے نبی کی شریعت کا عالم یا فعل اور عقلی و دیندار ہونا ضروری ہے۔

نیز ائمہ اہل بیت نے بھی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعدد مسائل میں حضرت ابن عباس کے کہنے سے رجوع کیا۔ نیز شیعوں کی کتابوں میں ہے کہ اہم حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی اہم حسن رضی اللہ عنہ سے اس بات پر ناراض تھے کہ حضرت معویہ رضی اللہ عنہ سے کیوں صلہ کیا۔ حضرت شیعہ کے نزدیک جب اہم حسن اہم معصوم اور صاحب دینی و اہم تھے تو ان کی صلہ پر دل و جان سے اعلان کیا جاتا ہے۔

فرائض امیر مملکت اور خلیفہ

حضرت شہ ولی اللہ رحمہ اللہ ازائتہ الخفاء فی خلافتہ الخلفاء میں فرماتے ہیں کہ خلیفہ یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ (یعنی بادشاہ اسلام) ہے دین محمدی کا اس طرح محفوظ رکھنا واجب اور ضروری ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مشورہ سے چلتا ہوا ہے اور جس پر سلف صالحین کا اتباع اور اہل حق متفق ہو چکا ہے۔

۲۔ خلاف شرع امور کا ممانعت اور فرض ہے یہاں طور کہ مرتدوں اور زانیوں اور مجرموں کو قتل کرے اور نفل بدعت کو ممانعت کرے (ہاں دین میں کسی قسم کا خلل نہ آئے)۔

۳۔ وہ ارکان اسلام اور شعائر دین کو قائم کرے مثلاً مسجد اور حرمات اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کو اپنی جگہ میں بن کر رکھ کر بذات خود قائم کرے اور مشغلت ایامہ میں انکار مساجد اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو مقرر کرے اور مسلمانوں کو حج کرانے کے لئے ایک امیر حج مقرر کرے۔

۴۔ جس قدر ممکن ہو وہ بذات خود علوم دینیہ کو زندہ کرے اور زندہ رکھے اور ہر قسم میں علوم دینیہ کے درس کے لئے مدرسین کا مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا اور حنظل بن زیاد اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو بصرہ میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے کے لئے مدرس بناد کر بھیجا۔

۵۔ وہ اہل شصت اور اہل دعویٰ کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کے لئے (پہلے) قاضی مقرر کرے۔

۶۔ وہ تمام اسلامی حقوق کو کافروں اور رہزنیوں اور مفسدین کے شر و فساد سے محفوظ رکھے۔

۷۔ وہ دارالاسلام کی تمام سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت کرے یہاں طور کہ فوجوں اور کثات جنگ سے سرحدوں کو معمور رکھے (ہاں دشمن اہلک ممانعت کرے)۔

۸۔ وہ (بشرط قدرت) دشمن خدا سے جس طرح ممکن ہو جنگ کرے خواہ اس جنگ کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہو یا ابتداء کافروں کی طرف سے ہو اور مسلمانوں کی طرف سے ممانعت ہو۔

۹۔ وہ جنگ کے لئے لشکروں کو مرتب کرے اور جہازوں کے لئے وکیل اور حکماء مقرر کرے۔

۱۰۔ وہ کافروں سے جزیہ اور قرض وصول کرے اور جہازوں پر اس کو تقسیم کرے۔

۱۱۔ وہ کاتبین اور محاسبین اور درسوں اور انار مساجد کے مطابق اور دینیوں اور تجارین اپنی راستے سے ایسے مقرر کرے کہ امرایں اور نعلی وہ لوں سے نکلے ہوں۔

۱۲۔ وہ امور سلطنت کے لئے جن نفل اور حکام کا مقرر کرے وہ لذت و مال و اور نفل ہوں اور سلطنت اور مسلمانوں کے غیر خواہ ہوں۔

۱۳۔ وہ خود دیکھا اور فوج اور حکام اور امراء فکر اور قاضیوں وغیرہ کے حالات کی پیش پوری عمرانی اور جوابدہی رکھے ہاں سلطنت میں کسی قسم کی کوئی حیانت اور علم نہ ہوئے ہاں۔

۱۴۔ اس کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام اور کوئی عہدہ کسی کافر کے ہرگز سپرد نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے لذت و ممانعت فرمائی ہے چنانچہ عارف سوادری نے عوارف میں وثیق دہی (عمرانی) سے روایت کیا ہے کہ میں عمر کا کلام تھا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے وثیق تو اسلام قبول کر لے کیونکہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تجھ سے

مسلمانوں کے ہم میں مددوں اس لئے کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے کاموں میں ایسے شخص سے مددوں جو مسلمانوں میں سے نہ ہو۔" ویشی کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا دین میں زبردستی نہیں بلکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ کو آزاد کر دیا اور یہ فرمایا کہ جس نیرائی چاہتے چلا جاؤ۔

(غرض یہ کہ مسلمان بادشاہ کے لئے یہ ہرگز چاہتے نہیں کہ کافر کو کوئی وزارت یا افسری یا کسی قسم کا فائدہ دے اور کسے بلکہ کافروں سے حکومت کے سیاسی امور میں مشورہ لینا بھی چاہتے نہیں۔)

کئی عین جماعت میں دلا کر دے کہ جو امارت اور حکومت کی اہل ہو اور یہ کہ اسے کہ اس جماعت میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لیا جائے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت چھ "آئینوں کو چھوڑ کیا یعنی حضرت عثمان 'حضرت علی' حضرت عمر حضرت زبیر حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور یہ وصیت کر دی کہ ان چھ آئینوں میں سے کسی ایک کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرح سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

زبردستی امیر و خلیفہ بننا

انفقت و امارت و خلافت کا چوتھا طریقہ اشتیاء یعنی غلبہ و تسلط ہے یعنی مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے ہٹ کر کوئی شخص اپنے غلبہ و تسلط سے خلافت حاصل کر لے اور کسی طریقے سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے تو یہ بھی امیر اور خلیفہ بن جائے گا۔

دیکھو تو یہ طریقہ اصل کے خلاف ہے اور ہوتا تو یہ چاہئے کہ ایسے امیر کو امارت سے ہٹا دیا جائے لیکن جس شخص میں اقتدار کی ہوس ہو اور اس نے بہت بڑی قوت بہم پہنچ کر پوری سلطنت پر قبضہ کر لیا ہو اور سلطنت کے وسائل بھی حاصل کر لئے ہوں ظاہر ہے اس حکومت کو ہٹانے کے لئے بہت بڑی قوت چاہئے اور وہ بھی شخص اور جانوروں کی۔ اول تو اتنی قوت فراہم ہونا دشوار ہے۔ اور اگر کوئی صاحب حریت جانوروں کی کچھ جماعت لے کر مقابلہ کر سکتا ہے تو ایسا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات نے کیا تو تجزیہ سے معلوم ہوا کہ اس میں خونریزی اور قتل کا اندیشہ زیادہ ہے اور اصلاح احوال کی امید کم ہے۔ اور ظاہری کی صورت میں اس بات کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ عسکری مسلمانوں اور اسلام کو زیادہ نقصان پہنچائیں۔ اور اگر دوسری عام قوتوں کے ساتھ شریک ہو کر اس عسکر کو معزول کرنے اور ہٹانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا بھی اہل ہے کہ اس کی جگہ ایسا شخص آجائے جو اسی کی

طریقہ انتخاب امیر

انتخاب امیر کے چند طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ: اہل مل و حق یعنی ملہ و مصلحت اور ملک کے امراء و اہل رائے و دانش لوگ جو اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ ہوں اپنے اتفاق اور رضامندی سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں تو وہ امیر اور خلیفہ بن جائے گا۔ اور مسلمانوں پر اس کی ملامت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انصاف اسی طریقہ سے ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی طریقے سے خلیفہ بنے۔

دوسرا طریقہ: ایسا امیر و خلیفہ جس کی امارت و ریاست اور خیر خواہی لوگوں میں مسلم ہو اپنی صوابیت سے کسی کو چھوڑ کر دے جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو چھوڑ کرنے سے پہلے دیگر اہل مصلحت سے مشورہ بھی کیا تھا۔

تیسرا طریقہ: امیر و خلیفہ (جو خود اہلیت کی شرائط پر آمرا کرتا ہو) امارت و خلافت کو

طرح کا ہو یا اس سے بھی بدتر ہو۔ لہذا جب ایسے عکروں کو ہٹانے کی قوت نہ ہو یا اس کو ہٹانے میں قند و لیلہ چینی ہو تو اس وقت مناسب یہی ہے کہ ممبر کیا جانے اور عکروں اور حالات کی جہاں تک ممکن ہو اصلاح کی کوشش کی جائے۔

تنبیہ: جب اہل مل و عقد نے امیر غلبہ کرنا ہو تو ضروری ہے کہ صرف اس غلبہ کو غلبہ کرے جس میں امیر کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں۔ البتہ جب کوئی اپنی قوت و قابہ سے زبردستی امیر و غلبہ بن جائے تو تمام شرائط کا اس میں پلٹا جانا ضروری نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اختیار میں نہیں ہے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ لادت و خلافت نہیں ہے۔ سوائے چھپے اگرچہ قریشی نہیں تھے لیکن اسی خیال کے تحت ان کی لادت بھی خلافت ہی تھی۔ یہ کہنا کہ چونکہ وہ قریشی نہیں تھے لہذا ان کی لادت کو خلافت نہیں کہہ سکتے صحیح نہیں ہے۔

مترحوں باب

ایمان کا بیان

لغت عرب میں ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں یعنی کسی کو کچا کچھ کر اس کی بات پر یقین کرنا اور اس کو قبول کرنا اور پختہ۔

اصطلاح شریعت میں وہ تمام دینی امور جن کا چینی طریقہ سے دین حوی سے ہو: ثابت ہے ان کو نبی کے بموجب پر دل سے چکا جانے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں۔ یہ چینی اثبات چھریں سمت ی ہیں لیکن ان میں سے پانچ چیزوں کی غور بھی نہ ہو۔ تاکید ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ پر ایمان آئے۔ اس کو تمام صفات حسنہ سے موصوف اور بری صفتوں سے پاک کیے۔

دوسرے: فرشتوں کو حق کیے۔

تیسرے: تمام انبیاء عظیم السلام پر ایمان آئے۔

چوتھے: کتابوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر خلق فی ہدایت نے کئے ہیں ان میں ان کو حق کیے۔

پانچویں: مرے کے بعد آئندہ ہونے اور قسمت کے تعلق کو حق کیے۔

قرآن مجید میں ان چیزوں پر ایمان لانے کی صحت تاکید ہے اور چھپان کا ذکر ہے۔

بَاٰیٰتِہٖا شَہِیْدٌ لِّہٖمْ اٰمَنُوْا اِنَّہٗمْ وَرَسُوْلُہٗ وَّالْکِتٰبِ اٰیٰتِہٖ لٰہٗمْ اٰمَنُوْا
رَسُوْلُہٗ وَّالْکِتٰبِ اٰیٰتِہٖ لٰہٗمْ اٰمَنُوْا اِنَّہٗمْ وَرَسُوْلُہٗ وَّالْکِتٰبِ اٰیٰتِہٖ لٰہٗمْ اٰمَنُوْا

رُشِيدَهُ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (سورہ نساء: ۳۶)

اے ایمان والو! تم اعتقاد رکھو کہ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ اور جو شخص اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتے کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا تو وہ گمراہی میں پڑی دور چلا جائے۔

اور حدیث میں بھی ان کا نام ذکر ہے ان کا قدر مشرک حد قیامت کو پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ علیہ السلام نے ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی تصریح بھی تو آپ نے فرمائی ان نومومن باللہ و ملکئہ و کتبہ و رسولہ و الیوم الآخر ایمان یہ ہے کہ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو حق جانے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ خیر اور شر اللہ کی قسم ہے اس پر بھی ایمان لاسکے۔

زبان سے اقرار

ایم جس قسم کہہ اور ایم خیر اسلام کے نزدیک ایمان کے دکن ۱۱ ہیں۔ ایک تصدیق قلب اور دوسرے زبان سے اقرار۔ لیکن ان کے نزدیک بھی کسی عذر اور مجبوری سے لہنی اقرار باہق ہو سکتا ہے۔

مسود حقیقتیں اور ایم ابو مسعود امیری رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان فقہ تصدیق قلبی کا نام ہے۔ دبا زبان سے اقرار تو وہ دلیا میں اس پر مسلمین ہونے کا حکم لگانے کے لئے شرط ہے۔ کیونکہ تصدیق قلبی ایک پابندی ہے ہر ایک شخص اس کو نہیں جانتا فقہ ضروری ہے کہ اس کے لئے کوئی علامت ہو کہ اس سے وہ تصدیق معلوم ہو جایا کرے۔ سو وہ علامت زبان کا اقرار ہے۔

مسود کے قول کی تائید ان آیات سے ہوئی ہے

أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأُفْوِدَ مِنْهُمْ أَنْ يُذَكِّرُوا
وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ يُدْخِلُ الْإِيمَانَ فِي قُلُوبِهِمْ
لَمْ يَسْأَلْهُمْ عَنْ شَيْءٍ

ان آیات سے ثابت ہوا کہ ایمان دل سے ہوتا ہے نہ کہ زبان سے۔

ایمان اور اعمال صالحہ

ایمان صلا سے ایمان کو دشمنی اور دینی حاصل ہوتی ہے لیکن اعمال ایمان کا جز نہیں۔ اسی وجہ سے برے اعمال کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا البتہ دینی چال رفتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔

۱۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی صحت کے لئے ایمان کو شرط فرمایا ہے اور قاعدہ ہے کہ شرطہ شرطہ میں داخل نہیں ہوتا وَمَنْ يَتَمَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أَثَرٍ فَهُوَ مُؤْمِنٌ یعنی جو کسے ایک کام خواہ مو ہو خواہ عورت ہو بشریکہ مومن ہو۔

۲۔ قاعدہ ہے کہ معصوف اور معصوف علیہ ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اہل کو ایمان یا عطف کو اور اہل کو معصوف اور ایمان کو معصوف علیہ قرار دیا ہے لہذا اس قاعدہ کے مطابق ایمان سے غیر ہونے چاہئیں۔ فرمایا۔
إِنَّ الْآلِينَ آمَنُوا وَ تَعَبَلُوا الصَّالِحِينَ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔

۳۔ جس شخص سے بعض اعمال صالحہ ترک ہو جائیں اس کو بھی مومن کہہ
وَإِنْ عَلَا لَفْتَنَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ افْتَنُوا أَمْرَ مَسْئُولٍ كَرِهَ اللَّهُ
لِقَوْمِهِمْ

بمورد محمد بن اور ایم شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ اعمال صالحہ کو کامل ایمان کا

ہو گئے ہیں یعنی اہل صراط کے بغیر ایمان کامل نہ ہو گا ہاں ناقص ایمان دے گا اسی لئے یہ حضرات بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ عمل اور بد عمل کی پاداش مغفرت ہو جائے گی۔

اب وہاں قول ہے کہ حنیف کا یہ اور اس قول میں حقیقی فرق نہیں ہے صرف نزع نفسی (یعنی نفسی فرق و اختلاف) ہے۔

البتہ معجزہ اہل صراط کو عکس ایمان کا جزو کہتے ہیں اور جس سے گنہ گیر ہو جائے کہتے ہیں کہ وہ مومن نہیں رہا اگرچہ کافر نہیں ہوا۔

ایمان کا کم و بیش ہونا

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ لہذا ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا الا ییمان لا یزید ولا ینقص اور لہذا شافعی فرماتے ہیں کہ ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے الا ییمان یزید و ینقص۔

لہذا ابوحنیفہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان جو تمام اہل ایمان میں قدر مشترک ہے اور جس پر اجماعی اہوت کا دار و مدار ہے اور جس ایمان کی بنا پر تمام مسلمان رشتہ افوت میں شریک ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد الہی ہے۔

رَأْسًا الْفُؤَادِ لِقَابِ

یہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا البتہ عظمت اور صحت کے اعتبار سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ جس قدر عظمت زیادہ ہوں گی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہو گا۔ پس عام مومنوں کا ایمان حضرات انبیاء کرام کے ایمان جیسا نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کا ایمان ہرچہ کامل نہیں اور کامل معرفت الہی اور کامل عظمت اس درجہ بلند ہے کہ عام مومنوں کا ایمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ عکس ایمان میں دونوں مشترک ہیں۔

ایمان اور اسلام

طبی معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا جاتا ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور اسلام طاعت و قربانکاری کا نام ہے۔ اسی فرق کے اعتبار سے صحت جبرئیل میں اسلام کے بارے میں طیبہ سوال ہے اور ایمان کے بارے میں طیبہ ہے اور دونوں کے جواب بھی مختلف دیکھئے اسلام کے بارے میں سوال کے جواب میں تدریجاً گذر "مؤمنان کے دلائل" ذکوۃ اور حج کا ذکر کیا گیا اسی طرح قرآن پاک میں آیا ہے قُلْ لَمْ يَلْمِزُوكُمْ فِي شَيْءٍ وَلَكِنْ قُلْتُمْ لَا يَمْلِكُ اللَّهُ شَيْئًا وَلَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا يَمَانُ مِنْ قُلُوبِكُمْ (سورہ بقرہ ۱۷۷)

(یعنی) تم کوئی لہذا خداوند کے آپ کے پاس آ کر جو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ اس میں کمی اور کچھ کے مرگب ہوتے ہیں ایک تو بصورت کے کہ تصدیق قلبی کے بغیر عمل نہیں ہے) کہتے ہیں ہم ایمان لے لے آئے آپ فرمادیتے قرآن میں لائے کیونکہ وہ موقف ہے تصدیق قلبی پر اور وہ سورہ میں وَلَمْ يَلْمِزُوكُمْ إِلَّا يَمَانُ مِنْ قُلُوبِكُمْ لیکن (ہاں) ہوں کہو کہ (ہم طاعت چھوڑ کر مطیع ہو گئے اور (ہاں) ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

مگر شریعت کی اصطلاح میں دونوں کا ایک ہی صدوق ہے کیونکہ ایمان اگرچہ تصدیق قلبی کا نام ہے مگر اس کے ساتھ عملی طاعت اور قربانکاری بھی فرض اور ضروری ہے اور اسلام اگرچہ طاعت و قربانکاری کا نام ہے لیکن شریعت میں ہی طاعت و قربانکاری سمجھے جاتے ہیں جس کے ساتھ تصدیق قلبی ہو ورنہ محض ظاہری طاعت بغیر تصدیق قلبی کے نہ رہے بلکہ معتبر نہیں۔

ایمان میں شک نہ چاہئے

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کی اور زبان سے اقرار کیا تو وہ محض قلبی مومن بن گیا لہذا وہ شک کے طور پر ہوں نہ کہے کہ "میں مومن ہوں اللہ اللہ" بلکہ اللہ اللہ کے لفظ کو ذمہ کرے۔ البتہ اگر اس نیت سے کہے کہ ظاہر

داخل نہیں۔ اس لئے گنہ کرنے سے اصل ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا مگر اس کا
ایمان ناقص ضرور ہو جاتا ہے اور اس کی روائی جاتی راقی ہے۔

معجزہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کرنے سے ایمان پاتا رہتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک اصل
صلہ ایمان میں داخل ہیں اور کافر بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ معجزہ کی پہلی بدعت تھی جو
انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کے زہد اچھل کی تھی اور کلمہ ایمان کے سچ انہوں نے
ایک واسطہ اور درجہ نکالا۔

طوائف کے نزدیک کبیرہ اتنے کیا بلکہ عقیقہ سے بھی کافر ہو جاتا ہے انہوں نے
من ترک الصلوۃ منعصدا فقد کفر (جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے
کفر کیا) جیسی حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ لیکن جب پیچھے ذکر کردہ خصوص
(قرآنی آیات و احادیث) میں کبیرہ گنہ کرنے والے کو سوسن کیا گیا ہے تو ضروری ہے
کہ من ترک الصلوۃ منعصدا فقد کفر جیسی حدیثوں سے ان کا ظاہری سنی
مراء نہ لیا جائے بلکہ تحلیل کی جائے یعنی دو مرتبہ متعصب سنی مراء گئے ہائیں۔ فقہایہ
مراء ہو گا کہ اس نے کافروں کا سلاکم کیا یا یہ مراء ہو گا کہ جو ترک نماز کو حلال سمجھ کر
ترک کرے گا وہ کافر ہو جائے۔

نیز قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ
یَغْفِرُ مَا سِوَ ذٰلِکَ لِمَنۢ یَّشَآءُ ہ لَکَ اللّٰہُ نہ لگے گا یہ کہ اس کے ساتھ شرک
کیا جائے اور عقل دے گا اس کے سوائے جس کے لئے چاہے۔

اس آیت میں سوائے شرک کے سب گناہوں کی بخشش کی بشارت ہے جس سے
لئے اللہ چاہیں جب کہ کافر اور شرک کے لئے تو بلافاق بخشش نہیں ہے اور توبہ
کرنے سے بلافاق بخشش ہے تو اگر یہ توبہ گنہ بھی سمجھ کر ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی بخشش
کس کے لئے ہو گی؟

دار و مدار غائب پر ہے

ایمان اور کفر کا دار و مدار غائب پر ہے عقل کو وقت لیا بھی ہوتا ہے کہ ذہم مر ايمان

کا اصل اللہ ہی کو معصوم ہے یا حاکم سمجھ کر کے تو درست ہے لیکن ہر حال نہ کرنا
زوراً مجرب ہے کیونکہ اس کلمہ سے کہنے سے نئے دالے کو اس کا شک جہت ہو گا اور یہ
بھی برا ہے۔

موت کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا مقبول نہیں

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان وہی مقبول اور کارآمد ہے جو باطل پر مبنی جن چیزوں
کی خدا کے پیغمبر نے خبر دی ہے ان کو بغیر دیکھے ہی کے بھروسہ اور اجتہاد پر ہے چنانچہ
چرا قبل کہسہ۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متفقین کی ملت اَلَّذِیْنَ
یُؤْمِنُوْنَ بِالْعَقِیْبِ (جو یقین لائے ہیں ہمیں ہوئی چیزوں پر) بیان فرمائی اور اس ایمان
باغیب پر دہشت اور وحش کا وعدہ فرمایا۔ اُولَئِکَ عَلٰی هٰذِیْ سَیْرَیْہٖمْ وَاُولَئِکَ هُمُ
السَّالِفِیْنَ (اسی کی لوگ ہیں ٹھیک اور پر ان کے رب کی طرف سے ملی ہے اور
یہ لوگ پورے کتاب پر لڑا۔

فلا ارجع منہ کے وقت فرشتوں کو اور انہوں نے آخرت کو آنکھوں سے دیکھ کر
ایمان لائے تو وہ ایمان مستحکم ہو گا قرآن پاک میں ہے۔

لَ قَبِیْطِ التَّوْبَةِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الشَّیْءَاتِ حَتّٰی اِنَّا خَضَرْنَا اَحْضَعُ
النَّوْثِ قَالِ اِنِّیْ نَبِیْتُ الْاٰنَ

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو گنہ کرتے رہے ہیں پہلے تک کہ جب موت
آئی تو اس وقت کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔

وَ قَلِیْلٌ یَّکُنْ یَنْفَعُہُمْ اِنْشَآئُہُمْ لَمَّا زَاوَا نَسَا (سورہ مومن: ۸۵)
سوں کو لاکھ یہ ایمان لانا مطلق نہ ہوا جب انہوں نے عذاب عذاب دیکھ لیا۔

کبیرہ گنہ سے ایمان نہیں جاتا

سوسن گنہ کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ گنہ کبیرہ ہو اس لئے کہ
ایمان کی اصل حقیقت تقدیر تھی ہے اور اصل صلہ ایمان کی اصل حقیقت میں

یا کفر رہا اور اخیر میں جا کر حالت بدل گئی تو اعتبار غلط کا ہو گا۔

کسی دیرانے میں بالغ ہونے والے اور وہ شخص جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو ان کے اسلام و ایمان کا مسئلہ

امت کا اس پر اعلان ہے کہ علم دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ جس کام کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اس میں من مبنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے منع و ثواب کا تحقیق پڑا جاتا ہے اور جس کام سے روکتے ہیں اس میں حج یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے مذمت اور عقاب کا تحقیق پڑا جاتا ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ معنی میں من و حج کو ہم اپنی محض سے جان سکتے ہیں یا ان کا علم صرف شرعی سے ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ من و حج شرعی ہیں یا عقلی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

اشعرا کا کہنا ہے کہ یہ شرعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا اس میں من ہے یعنی منع و ثواب کا تحقیق ہے اور جس کام سے منع کر دیا اس میں حج یعنی مذمت و عقاب کا تحقیق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ منع کو کرنے کا حکم دے دیں تو اس میں من پیدا ہو جائے گا اور ہمارے منع کو منع کر دیں تو اس میں حج موجود ہو جائے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے منع کیا ہے لہذا شراب پینے میں حج ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ شراب پینے کا حکم دے دیں تو اس میں من پیدا ہو جائے گا۔

ماتریدہ اور معتزلہ کا کہنا ہے کہ من و حج عقلی ذکر و عقلی ہیں۔ یعنی کسی شخص میں منع و ثواب کے تحقیق کو اور کسی دوسرے فعل میں مذمت و عقاب کے تحقیق کو ہم اپنی محض سے سمجھ سکتے ہیں اور یہ کوئی شرع یا سوا قی نہیں ہیں۔ غیب پروری میں اور من کا شکر ادا کرنے میں من ہے اور باطن قتل کرنے میں حج ہے ان کو ہم عقل سے سمجھ سکتے ہیں۔

ماتریدہ اور معتزلہ کا معنی ذکر و من و حج کو عقلی جان لینے کے بعد پھر ان نے۔

اختلاف ہوا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ من و حج اللہ تعالیٰ پر حکم کرنے کو واجب کرتا ہے۔ اور اگر بالفرض رسول نہ بھیجے جیسے اور شرع نہ آتی تب بھی یہ احکام واجب ہوتے۔

ماتریدہ کہتے ہیں کہ من و حج سے فعل میں یہ تحقیق پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حکم بیان فرمادیں۔ لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم نہ آئے وہ حکم موجود نہ سمجھا جائے گا۔

مولانا مہتمم کہتے ہیں کہ گو من و حج عقلی ہیں لیکن اس سے نہ تو حکم واجب ہوتا ہے اور نہ ہی بندے کے ارادے کے ساتھ حکم کے تحقق کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ماتریدہ کا انہیں میں کچھ اختلاف ہے۔

اب بعض یہ کہتے ہیں کہ حضرات مثلاً امام ابو منصور ماتریدہ امام غزالی امام صاحب میزان اور صدر الشریعہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں اللہ تعالیٰ کے بعض احکام کا اور ان کا عقل بذات خود کر سکتی ہے مثلاً ایمان کا اور حسن کے شر کو اکرنے کا اس وجہ سے یہ حضرات ہر اس شخص کے لئے ایمان کو واجب قرار دیتے ہیں جس کو اتنی زندگی ملی ہو کہ اس میں غور و فکر کر سکا ہو۔ اور کفر کو حرام قرار دیتے ہیں خواہ اس کو رسول کی دعوت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ اس بارے میں امام ابن حنیفہؒ سے بھی روایت یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے اپنے خالق کی ہم معرفت اور جہالت کا کوئی عذر قتل ملے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پچھاننے کے لیے شہر و راسخ تحقیق و ادب میں پچھلے ہوئے ہیں۔

مولانا حضرات یہ کہتے ہیں کہ آدمی احکام کا مکلف ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو دعوت پہنچے۔ لہذا وہ کافر جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو وہ ایمان کا مکلف ہی نہیں ہے اور آخرت میں اس سے کفر و موافقہ نہیں ہو گا۔

ابن قیم اقوال کا حامل یہ ہے کہ جو شخص مثلاً کسی دیرانے یا چارہ یا بالغ ہوا ہو اس کے بارے میں۔

۱۔ معجزہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے کفر اختیار کیا تو فصل قحج پر اور اگر ایمان و کفر دونوں سے خلق رہا تو رک حشمت پر اس سے مواخذہ ہو گا اور اگر ایمان کو اختیار کیا تو حشمت کے کرنے پر ثواب ہو گا۔

۲۔ بعض بڑے ماترین یہ جن کا ذکر لوہر ہوا وہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے کفر کو اختیار کیا تو اس پر مواخذہ ہو گا اور اگر اس نے نہ کفر کو اختیار کیا نہ ایمان کو تو رک ایمان پر صرف اس صورت میں مواخذہ ہو گا جب اس کو غور و فکر اور تامل کرنے کے بعد زندگی ملی ہو۔

۳۔ امامیہ اور ابن امام کہتے ہیں کہ کسی صورت میں بھی مواخذہ نہ ہو گا اگرچہ وہ شرک بھی کرتا رہا ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں غلاما اختلاف ہے کہ آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اور کوئی قطعی دلیل اس بارے میں موجود نہیں ہے۔ لہذا اصل اس میں یہی ہے کہ اس کو ہم خدا کے پیروں کی دینی بہتر جانتے ہیں کہ آخرت میں وہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے۔

اشارہ اولیٰ باب

شرک کا بیان

شرک یہ تو ہے ہی کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر کچھ اور اس کے مقابل جانے لیکن شرک جس اسی پر موقوف نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ جو چیزیں اللہ پاک نے اپنی ذات و ملکیت کے لئے مخصوص فرمائی ہیں اور بندوں پر بندگی کی عداوتیں قرار دی ہیں انہیں فیوادی کے آگے بجالا جانے مثلاً سجدہ خدا کے نام کی قرینہ 'منت' آئسے وقت پکارنا خدا کو حاضر و ناظر سمجھنا قدرت و تصرف وغیرہ۔ سجدہ خدا ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے قرینہ اسی کے لئے کی جاتی ہے 'منت' اسی کی بنی جاتی ہے آئسے وقت اسی کو پکارا جاتا ہے دینی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور ہر طرح کا تصرف و اختیار اسی کے قبضے میں ہے اگر ان میں سے کوئی بات غیر اللہ میں ثابت کی جائے تو شرک ہے گو اس کو خدا سے پھوٹا ہی سمجھا جائے اور خدا کی تھوڑی اور اس کا بندہ ہی مانا جائے پھر اس معاملہ میں نبی ولی امام جن شیطان وغیرہ سب برابر ہیں جس سے بھی یہ معاملہ کیا جائے گاہ شرک ہو گا اور کہنے والا شرک ہو جائے گا چنانچہ اللہ پاک نے بت پرستوں کی طرح یسویوں اور عیسائیوں پر بھی عتاب کیا ہے حالانکہ وہ بت پرست نہ تھے البتہ انبیاء اور اولیاء سے ایسا ہی معاملہ دیکھتے تھے قرآنیاً۔

إِن تَعْلَمُوا أَن تَبَازِغَهُمْ وَرُحْبَانَهُمْ أَتَرَبَّاءُ بَيْنَ فُؤَادِ اللَّهِ وَالسَّيِّغِ اِبْرَ
عَزِيمَةٍ وَمَا أُبْرُوا إِلَّا لِيُعْجَبُوا إِلَہَا وَآجِدُوا إِلَہَ الْآفَہُو مَبْعُثْنَهُ وَتَعَالَى عَقَابُ
بُشْرُ كُؤُنَ (سورہ قہ ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء کو اور دہشتوں کو اللہ کو پھوڑ کر رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ انہیں ایک ہی اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہو شرکوں کے شرک ہے پاک اور بلند و برتر ہے۔

یعنی اللہ کو تو سب سے بڑا مالک جانتے ہیں اور اس سے چھوٹے اور مالکوں کے بھی قائل ہیں، جن کے عالم اور دہش ہیں انہیں اس بات کا حکم نہیں ملتا۔ وہ شرک کر رہے ہیں۔ اللہ پاک تو حق تعالیٰ ہے اس کا کوئی شریک نہیں خدا وہ چھوٹا ہو یا بڑا سب اس کے بس بندے ہیں اور سب ہی میں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا۔
 إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَيْنَ الرَّحْمَنَ عِثًا ۚ لَقَدْ أَخْلَصْنَاهُ وَقَدْ عَلَّمْنَاهُ ۚ وَكَلَّمْنَاهُ آيَاتِهِ يَوْمَ الْفَيْصَةِ ۚ فَذَرَاهُ ۚ (سورہ مریم)
 آسمان و زمین کا ایک ایک شخص رخص کے سامنے غلطی حیثیت میں آئے گا ہے۔ رب نے انہیں شمار کر رکھا ہے اور ایک ایک کو گن کر رکھا ہے اور سارے خدا کے سامنے فرود آئے والے ہیں۔

یعنی انسان ہو یا فرشتہ خدا کا کلام ہے۔ خدا کے سامنے اس کا اس سے زیادہ رتبہ نہیں یہ خدا کے قبضے میں ہے اور عاجز و بے بس ہے اس کے اختیار میں کچھ نہیں سب کچھ مالک الہک کے اختیار میں ہے۔ خدا سب پر قابض و متصرف ہے کسی کو کسی کے قبضے میں نہیں رکھتا اس کے سامنے حلیہ و کلب کے لئے ہر شخص حاضر ہونے والا ہے۔ وہی نہ کوئی کسی کا دیکھتا ہے گا اور نہ چھائی۔

اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ پاک نے کون کون سی چیزیں اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لی ہیں تاکہ ان میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ انہی چیزیں ہے شمار ہیں ہم یہاں چند چیزوں کا بیان کر کے قرآن و حدیث سے حجت کریں گے تاکہ ان کی مدد سے دوسری باتیں بھی پاسکیں۔

۱۔ پہلی چیز یہ ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و باخبر ہے یعنی اس کا علم ہر جگہ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر جگہ سے ہر وقت خبردار ہے۔ خدا وہ چیز دور ہو یا قریب۔ سامنے ہو یا پیچھے۔ چھپی ہوئی ہو یا کھلی ہوئی۔ آسمان میں ہو یا زمینوں میں۔ پناہوں کی چٹانوں ہو یا سمندر کی تر میں۔ اگر کوئی ایچھے چیلے کسی غیر اللہ کا نام لے گا اور وہ نزدیک سے اسے پکارے کہ وہ اس کی مصیبت رسخ کر دے یا دشمن پر

اس کا نام پڑھ کر حلقہ کرے یا اس کے نام کا شتم پڑھا جائے یا اس کے نام کا ورد رکھے یا اس کی خبیثی صورت دیکھیں میں حلقے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جس وقت میں نہیں سے اس کا نام لیتا ہوں یا دل میں اس کا تصور آتا ہے یا اس کی صورت کا خیال کرتا ہوں یا اس کی قبر کا دیکھتا کرتا ہوں تو اس کو تجربہ ہو جاتی ہے۔ یہی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ اور مجھ پر جو حالات گزرتے ہیں جیسے بیماری و صحت 'قزاقی' و جلی 'سوت' و زہت اور غم و حسرت اس کو ان سب کی بروقت خبر دیتی ہے جو بات یہی نہیں سے لکھی ہے وہ اسے سن لیتا ہے اور میرے دل کے خیالات اور تصورات سے واقف رہتا ہے۔ ان تمام باتوں سے شرک جیت ہو جاتا ہے۔ یہ شرک فی العلم ہے یعنی حق تعالیٰ جیسا علم غیر اللہ کے لئے جیت کرنا بلاشبہ اس عقیدے سے انسان شرک ہو جاتا ہے گو یہ عقیدہ کسی بے سے سے انسان سے رکھے یا مقرب سے مقرب فرشتے سے اگرچہ یہ سمجھا جائے کہ یہ علم ان کو اپنی ذات سے حاصل ہے یعنی ان کا یہ علم ذاتی سمجھا جائے یا خدا کا عطا کیا ہوا ہر صورت میں شرک عقیدہ ہے۔

۲۔ کائنات میں ارادے سے تصرف و اختیار کرنا علم چاہتا خواہش سے مارا جانا 'فراشی و غلی' 'مردستی و بیماری' 'خروج و کسوت' 'اقبال و اہوار' 'مرلویں بر لانا' یا 'نیمیا باقی' 'بازگ' اور میں و بھگتی کرنا اور وقت پڑنے پر ہد کرنا خدا ہی کی شان ہے کسی غیر اللہ کی یہ شان نہیں غلو نہ کنی یا انسان یا فرشتہ کیوں نہ ہو۔ پھر جو شخص کسی غیر اللہ میں ایسا تصرف جیت کرے اس سے مرلویں مانگے اور اسی فرض سے اس کے نام کی منت مانگے یا قربانی کرے اور 'اسے وقت اس کو پکارے کہ وہ اس کی بلائیں تل دے ایسا شخص شرک ہے اور اس کو شرک فی تصرف کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کا سوا تصرف غیر اللہ میں مان لیتا شرک ہے غلو وہ ذاتی مانا جائے یا خدا کا دیا ہوا ہر صورت میں یہ عقیدہ شرک ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے بعض نام اپنی جلالت کے لئے مخصوص فرما دیے ہیں جن کو جلالت کہا جاتا ہے جیسے 'سبح' 'رکوع' 'ہاتھ پدھ کر کھڑے ہونا' خدا کے نام پر خیرات

برصورت میں یہ شرک حقیقہ ہے۔

حق حقیقی نے بدوں کو یہ فہم سکھایا ہے کہ وہ دعویٰ کہوں میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کی تعظیم بجالائیں مگر ایمان بھی ستور جیسے اور کہوں میں برکت بھی ہو جیسے وقت پڑنے پر اللہ کی نذر مان لینا اور مشکل کے وقت اسی کو پکارنا اور حکم شروع کرتے وقت برکت کے لئے اسی کا نام لینا اگر لالہ ہو تو اس نعمت کے شریکے کے لئے اس کے نام پر جانور ذبح کرے اور کا نام لینا اور عبد اللہ عبد الرحمن "خدا بخلی" اللہ دیا" است اللہ اور اللہ ہی و غیرہ رکھتے کھیتی کی پیداوار میں سے تو خدا ساقد اس کے نام کا ٹھکانہ جانوں میں سے کچھ پہل اس کے نام کے ٹھکانہ جانوروں میں سے کچھ جانور اللہ کے نام کے مقرر کرنا اور اس کے نام کے نام جانور بیت اللہ کو لے جاتے جائیں ان کا ادب و احترام بجالانا یعنی نہ ان پر سوار ہونا نہ انہیں لالہ کھانے پینے اور پسینے لوٹنے میں خدا کے حکم پر چلنا جن جانوروں کے استعمال کا حکم ہے انہیں استعمال کرنا اور جن کی ممانعت ہے ان سے باز رہنا دنیا میں گرانی و ارزانی، صحت و بیماری، رخ و خلست اقبال و دیوار اور دنیا و مسرت جو کچھ بھی پیش آتی ہے سب کو خدا کے اختیار میں سمجھتے ہر کام کا ارادہ کرتے وقت اللہ اللہ کہنا شروع کریں کہ اللہ اللہ ہم فلاں کام کریں گے۔ خدا کے اسم گرانی کو اس صفت کے ساتھ لینا جس سے اس کی تعظیم لیاں ہو اور اپنی غلامی کا اعتبار ہو تا ہو جیسے یوں کہنا ہمارا ادب اہل مالک "ادرا غلام" ہمارا مسعود و محبوب۔ اگر کسی موقع پر قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے نام کی قسم کھائیے تمام باتیں اور اسی قسم کی دیگر باتیں اللہ کے نام پر اپنی تعظیم کی واسطے مقرر فرمائی ہیں پھر جو کوئی اسی قسم کی تعظیم غیر اللہ کے لئے کرے مثلاً نام رکھا ہو یا بگاڑا ہو اس کو چھو کر نہ پا سنا اسے لئے غیر اللہ کی نذر مان لینا جیسے۔ اور کا نام عبد اقصیٰ، لام بخلی رکھا جائے کھیت و باغ کی پیداوار میں ان کا حصہ رکھا جائے۔ جب پہل تیار ہو کر انہیں تو پہلے ان کا حصہ الگ کر دیا جائے تب اسے استعمال میں لایا جائے جانوروں میں اس کے نام کے جانور مقرر کر دیے جائیں پھر ان کا ادب و احترام

کرنا اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے مقدس گھر کی زیارت کے لئے دور دور سے سفر کر کے آنا اور اپنی قسمت میں تاکہ لوگ پکارتے جائیں کہ یہ زائرین حرم ہیں۔ راستے میں خدا کا ہی نام پکارنا، چھتھل پاتوں سے اور ٹھارے سے چٹا کر دی اقبالیہ سے جا کر اس کے گھر کا طرف کرنا اس کی طرف سجدہ کرنا اس کی طرف ترقی کے جانور لے جانا وہاں نہیں جانا کعبہ پر خلاف چھتھل کعبہ کی چوکٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعائیں مانگنا دین و دنیا کی بھانئیں طلب کرنا جبراسو کو چھتھل کعبہ کی دیوار سے منہ منا اور چھتھل لٹکا اس کا خلاف پکار کر دعائیں مانگنا اس کے جانوروں طرف روشنی کرنا اس میں خدام بن کر رہنا جواز دینا روشنی کرنا فرش بچھنا جانوروں کو پانی پلانا دوسو کے لئے اور فصل کے لئے پانی مریا کتب آدم و نوح کو تحریک سمجھ کر چٹا بدن پر ڈالنا کوئیں تن کر چٹا تنہا میں تعظیم کرنا صرف و عذوب کے لئے بے جانہ اس کے جس پاس کے جنگل کا ادب و احترام کرنا وہاں ٹھکانہ نہ کرنا درست نہ ٹھکانہ ٹھکانے نہ ٹھکانہ جانور نہ چٹا یہ سب کام اللہ نے اپنی مخلوق کے مسئلوں کو تنہا ہی۔ پھر اگر کوئی شخص نبی کو یا ولی کو یا کسی گناہ صبری قبر کو یا کسی کے قتل و چلے کو یا کسی کے مکان و مکان کو یا کسی کے تحریک و حرکت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے لئے روزہ رکھے یا ہاتھ بندھ کر کھڑا ہو جائے یا چھلوا چھانے یا ان کے نام کی چھلوی کھڑی کرے یا جانے وقت اسے پائوں پہنے یا قبر کو چھو یا قبروں یا قبروں کی زیارت کے لئے دور سے سفر کر کے جائے یا وہاں چراغ جلائے اور روشنی کا انتظام کرے یا ان کی دیواروں پر خلاف چھانے یا قبر پر جانور چھانے یا نور چھل بجھے یا شامیانہ جسے یا ان کی چوکٹ کا پوسلے یا ہاتھ بندھ کر دعائیں مانگے یا حرمیں مانگے یا مہواریں کر خدمت کرے یا اس کے جس پاس کے جنگل کا ادب کرے غرض کہ اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس نے کھلا شرک کیا اس کو شرک فی الصلوات کہتے ہیں۔ یعنی غیر اللہ کے لئے اللہ کی سی تعظیم کرنا خواہ یہ حقیقہ ہو کہ وہ ذاتی اعتبار سے ان تعظیموں کے لائق ہے و خدا ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے بلائیں مٹ جاتی ہیں۔

چوری کرے، بیکاری میں جتا رہے۔ نماز روزہ چھوڑ بیٹھے۔ چوری بچوں کی حق تلفی کرے۔ گتے، مٹی، پتھر کی تافانی پر غور رہے۔ لیکن جو شرک کی دامن میں پھنس گیا وہ راہ سے لڑا، بھگت گیند کیونکہ وہ ایک ایسے گنہ میں جتا ہو گیا جس کو حق تعالیٰ ہر توبہ بھی نہ معاف فرمائے۔ گتے شید اور تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ ہر توبہ پر معاف بھی فرما دے معصوم ہوا کہ شرک کا قتل طو جرم ہے اس کی سزا قطعی طور کر رہے کی اگر انتہائی درجہ کا شرک ہے جس سے انسان کا قہر ہو جاتا ہے تو اس کی سزا الہی جہنم ہے نہ اس سے نکلا جائے گا اور نہ اس میں اسے چین و آرام میرا آئے گا اور جو کم درجہ کا شرک ہیں (یعنی اگرچہ توبہ کا قہر تو نہیں ہوا لیکن شرک کا کام کیا) ان کی سزا حق تعالیٰ کے یہاں جو سزا ہے وہ ضرور ملے گی اور دیگر گناہوں کی حق تعالیٰ کے یہاں جو سزائیں مقرر ہیں وہ اللہ کی مرضی پر ہیں خواہ دسے یا نہ دسے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک سے جو کوئی گنہ نہیں۔ اس کو اس مثل سے سمجھو۔ مثلاً بادشہ کے یہاں رحمت کے لئے ہر قسم کے جرم کی سزائیں مقرر ہیں۔ مثلاً چوری، ڈاکچنی، سپردہ دینے دینے، چٹا، دوہار میں دیر سے بیٹھا، میدان جنگ سے بھاگ آنا اور سرکار کے پاس پہنچنے میں قطعی کر بیعتنا، قہر و غیظ۔ ان سب جرموں کی سزائیں مقرر ہیں اب بادشہ کی مرضی ہے چاہے تو سزا دے اور چاہے معاف کر دے لیکن بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جن سے بدعت تقی سے خطا کسی امیر کو، وزیر کو یا چاہے چوری کو یا بھلی کو یا مہاجر کو بادشہ کی موجودگی میں بادشہ ہر توبہ کر جائے تو اس قسم کی حرکت بدعت ہے یا ان میں سے کسی کے واسطے تین یا تین شقیں مقرر ہوتی ہیں یا اسے قتل سمجھا کر اس کے سامنے شہنشاہ آداب بھالائے جائیں یا اس کے لئے ایک جہنم کا دہانہ کھولا جائے اور بادشہ کی ہی ضروری ہوتی ہے جرم تمام جرموں سے بڑا ہے اس جرم کی سزا جہنم فی جاہل ہے۔

وَأَذَانًا لِّقَوْمٍ لَا يُبْغِضُ إِلَيْهِمْ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِإِسْنَى لَا تُشْرِكُ بِاللَّهِ إِنَّ الْبَشَرَكِي
لَتَفْطَنُ عَقْلِيَّةً (آقان ۳)

بجائے جائے۔ پانی سے یا چارے سے انہیں نہ بھلیا جائے نکلی سے یا پھر سے انہیں نہ مارا جائے اور کھانے پینے اور پہننے کوڑھنے میں رسوں کا خیال رکھا جائے کہ فلاں فلاں کھانا نہ کھائیں فلاں فلاں پہنا نہ پہنیں۔ لی بی بی کی صحت موانہ کھائیں (کوڑھی نہ کھائے اور شوہر وہی عورت نہ کھائے شہ عبداللہ کا قہر حق پیتے والا نہ کھائے) دنیا کی بھلائی برائی کو انہیں کی طرف منسوب کیا جائے کہ فلاں فلاں ان کی لغت میں گر کر رہے ہیں یا نہیں ہو گیا ہے۔ فلاں محتاج ہے انہیں کا راز دہو ہوا توبہ اور دیکھو فلاں کو انہوں نے توبہ کیا تھا آج سعادت و اقبال اس کے پاس چوم رہے ہیں۔ فلاں گدے کی وجہ سے قتل کیا۔ فلاں کلام فلاں سعادت میں فلاں دن شریعت کیا تھا آخر کار پورا نہ ہوا یا یہ کیا جائے کہ اگر اللہ اور رسول چاہے گا تو میں انہیں گا یا جو صاحب کی مرضی ہو گی تو ہو گی یا سمجھو میں غیر اللہ کے لئے دانا ہے یا خداوند خدا کے گناہ مانگ اللہ شکستہ چہ اللہ استہلال کے جائیں۔ قسم کی ضرورت پڑ جائے تو میں کی یا علی کی یا لہم و ہر کی یا ان کی قبول کی قسم کھائی جائے ان تمام باتوں سے شرک پیدا ہوتا ہے اس کو شرک فی العلوت کہتے ہیں یعنی علوت کے گناہوں میں اللہ کی ہی تعظیم غیر اللہ کے لئے کی جائے۔ شرک کی ان چاروں قسموں کا قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان آیا ہے۔ ذکر کیا جاتا ہے۔

شرک کی برائی۔ توحید کی خوبیاں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا عَظِيمًا۔ (سورہ ۳)

اللہ دیکھو اللہ پاک اپنے ساتھ شرک کے جانے کو معاف نہیں فرماتا اور اس سے سوائے چاہے معاف فرما دے اور جس نے شرک کیا وہ راہ سے بہت دور بھگت گیند یعنی اللہ کی راہ سے بھگتا یہ بھی ہے کہ انسان طلال و حرام میں تیز نہ کرے۔

جب قرآن نے نصیحت کرتے وقت اپنے بیٹے سے کہا اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا
شرک بڑا بڑا ہماری قلم ہے۔

یعنی اللہ پاک نے حضرت قرآن کو بصیرت عطا فرمائی تھی انہوں نے عقل سے
معلوم کیا کہ کسی کا حق کسی دوسرے کو دے دینا جیسا ہے افسانے سے پھر جس نے اللہ کا
حق اللہ کی طرف میں سے کسی کو دے دیا اس نے جسے دے دیا کا حق بہت بھرنے
کو دے دیا معلوم ہوا کہ جس طرح شریعت نے شرک کو بڑا ہماری گنہ بتایا اسی طرح
عقل بھی اس کو بڑا گنہ بتاتی ہے شرک تمام بیوں سے بڑا عیب ہے یہی بات یہی ہے
کیونکہ انسان میں سب سے بڑا عیب یہی ہے کہ وہ اپنے بیوں کی بے ادبی کرے۔ پھر
اللہ سے بچ کر بڑا گنہ ہو سکتا ہے اور شرک اس کی شان میں ہے لہذا ہے۔

انبیاء کی بحث کا اصل مقصد توحید ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا
فَاسْتَبِئْهُمْ (انبیاء: ۶۵)

”ہم سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہم نے اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا
کوئی حق دار عبادت نہیں عطا میری عبادت کر۔“

یعنی تمام غیر خدا کے پاس سے یہی حکم لے کر آئے کہ صرف اللہ ہی کو عبادت
جانے اور اس کے سوا کسی کو لا اور معبود نہ جانا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا حکم اور
شرک سے ممانعت تمام شریعتوں کا ایک حلقہ مسئلہ ہے اس لئے صرف یہی راہ نجات
ہے باقی تمام راہیں لٹا اور ٹیڑھی ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انا الغنی الشکراء عن الشکر من عمل
عملاً اشکر فیہ معی فہری ترککھ و شرکھ و انا منہ بری۔ (مسلم مطبوعہ)
باب الریا

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا میں سامعین میں سب سے زیادہ سامع ہے ہے پر وہ ہوں
جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو
اور اس کے سامع کو چھوڑ دیتا ہوں اور میں اس سے بڑا ہو جاتا ہوں۔

یعنی میں لوگوں کی طرح مشترک چیز نہیں چاہتا میں ہے پر وہ ہوں جس نے میرے
لئے عمل کیا اور اس میں غیر کو بھی شریک کر لیا تو میں اپنے حصہ بھی نہیں لیتا بلکہ سارا
عمل دوسرے ہی کے لئے چھوڑ دیتا ہوں اور اس سے بڑا ہو جاتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ
جو شخص اللہ کے واسطے کوئی عمل کرے اور وہی عمل کسی غیر اللہ کے واسطے کرے تو
اس نے شرک کیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکوں کی عبادت جو اللہ کے لئے کی جاسے
باقی قبول ہے بلکہ حق تعالیٰ اس سے بڑا ہے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال لبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم لا تشرک باللہ شیئاً وان قنلت او حرقنت۔ (مسند احمد) مطبوعہ باب
الکبر

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر خواہ تجھے مار ڈالنا چاہئے یا جلا دینا چاہئے۔

یعنی اللہ کے سوا کسی کو اپنے معبود نہ کہتے کہ انہیں کر اور اس بات کا اندیشہ نہ کر کہ کوئی جن
یا شیطان تجھے ستائے گا۔ جس طرح مسلمانوں کو ظاہری صحابہ پر ہمرکنا چاہئے اور ان
کے ذمے سے اپنے ایمان نہ بگاڑنا چاہئے اسی طرح باطنی تکلیفوں پر بھی (جس بصورت وغیرہ
کی باتوں پر بھی) میرے کام نہ چاہئے ان سے اگر کہ اپنے ایمان کو نہ بگاڑنا
چاہئے۔ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ درحقیقت ہر چیز خواہ تکلیف ہو یا تمام اللہ کے اختیار
میں ہے خدا کبھی کبھی ایمان والوں کی تائید فرماتا ہے۔ سو میں کو بھڑا ایمان آتا
جاتا ہے۔ کبھی ایمان کے باتوں سے ایمان نہ تکلیفیں پہنچتی جاتی ہیں تاکہ انہیں اور
مختلفوں میں تفریق ہو جائے لہذا جس طرح بظاہر یا باطن کو تائید فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو

کافروں سے اللہ کے ارادے سے تکلیف پائی جاتی ہیں اور وہ مبری سے کام لیتے ہیں۔ تکلیفوں سے گھبرا کر ایمان میں ہلاکت آتی طرح بھی بھی ایک لوگوں کو جنوں اور شیطانوں سے اللہ کے ارادے سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ لہذا اس پر مبرہ عقل سے کام لیا جائے اور تکلیف کے اندیشے سے انہیں ہرگز ہرگز معذور نہیں بنانا چاہیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ ای التنب اکبر عند اللہ قال ان ندعو للہ نداء وهو خلقک (بخاری)۔ مسلم۔

ملکوتہ چاہے اکبر

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے فرمایا کہ کسی کو اللہ جیسا کلمہ کر پکارے عبادت اللہ سے کچھ بڑا کیا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ کو حاضر و ناظر سمجھا جاتا ہے اور کائنات کا تعریف اسی کے قبضے میں بتایا جاتا ہے اسی وجہ سے ہر مشکل کے وقت اسے پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح غیر اللہ کو اسی صفت سے متصف مان کر پکارا سب سے بڑا کلمہ ہے اس لئے کہ کسی میں بھی عبادت برائے کسی اور ہر جگہ حاضر و ناظر رہنے کی صلاحیت نہیں۔

شرک فی العلم

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَبْلُغُهُمْ إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَيْرِ وَالْبَحْرِ
وَمَا نَسْفُطُ مِنْ رَافِقَةٍ إِلَّا يَنْفُثُهَا وَلَا تَجِبُ فَنِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا تَرْتَلِبُ
وَلَا يَأْبِسُ إِلَّا فَنِي كِتَابِ شَيْبَانٍ (سورۃ انعام ۵۹)

اللہ ہی کے پاس غیب کی کتبیں ہیں جنہیں وہی جانتا ہے اور جو کچھ زمین، آسمان اور تری میں ہے اسے بھی جانتا ہے۔ جو بھی پوچھ کر تپے اسے بھی جانتا ہے زمین کے نیچے اندر جہاں میں کوئی دانہ ایسا نہیں اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔

علم غیب اللہ ہی کو ہے

یعنی جس طرح اللہ پاک نے انسان کو ظاہری چیزیں معلوم کرنے کی کچھ عینیں دے دی ہیں مثلاً دیکھنے کو آنکھ، سنے کو کان، سوچنے کو زبان، ٹٹولنے کو ہاتھ اور گھسنے کو حنظل یعنی ہے پھر یہ عینیں انسان کے بقدر اختیار میں دے دی ہیں کہ لوہار نے آدھو کیا لوہار نے کھم کر دیا مثلاً آگ سے دیکھا ہوا آگ کون دی نہ چھانڈ کر لیا۔ اسی پر ہر ایک صلوٰۃ کو قیاس کر لو کیا انسان کو ظاہری چیزوں کے معلوم کرنے کی عینیں دے دی ہیں جیسے کبھی دالے ہی کے اختیار میں نالے کو کھانا پانہ کھانا ہے اسی طرح ظاہری چیزوں کو معلوم کرنا انسان کے اختیار میں ہے چاہے معلوم کرے یا نہ کرے لیکن غیب کا معلوم کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے اس کی عینیں حق تعالیٰ نے اپنے پاس رکھی ہیں۔ کسی بد سے بد سے انسان کو اور مقرب ترین فرشتے کو بھی غیب کے معلوم کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا کہ جب چاہیں اپنی مرضی سے غیب معلوم کر لیں اور جب چاہیں نہ کریں بلکہ اللہ پاک اپنی مرضی سے بھی کسی کو غیب کی جس قدر بات بتانا چاہتا ہے بتاتا ہے۔ یہ غیب کا تقاضا اللہ کے ارادے پر موقوف ہے کسی کی خواہش پر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ایسا اطلاق ہوا کہ آپ کو بعض بات روایت کرنے کی خواہش ہوئی مگر وہ بات آپ کو معلوم نہ ہو سکی پھر جب ارادہ اٹھی ہوا اور بتا دی گئی حد رسالت میں منافقوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام لگایا اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپ نے کئی دنوں تک معطل کی کر یہ کی مگر کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ پھر جب حق تعالیٰ نے چاہا تو وہی صحیح کر بتا دیا کہ منافق کذاب ہیں صدیقہ پاک دامن ہیں۔ اب ایک مسئلہ صدمہ کا یہ عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ اللہ نے غیب کے خواہشوں کی کتبیں اپنے ہی پاس رکھی ہیں ان خواہشوں کا کسی کو خواہش نہیں بتا دیا وہ خود اپنے ہاتھ سے لکھ کھول کر جس کو جس قدر

چاہے دسے دسے اس کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو یہ دعویٰ کرے کہ میں عظیم جانتا ہوں جس سے غیب معلوم کر لیتا ہوں اور ماضی و مستقبل کی باتیں بتا سکتا ہوں وہ مجھ سے اور خدا کی دعویٰ کرتا ہے۔ اگر کسی نبی کو یا ولی کو یا جن کو یا فرشتے کو یا امام کو نام کے بتنے کو یا جن کو یا حید کو یا نبویؐ، مہدیؑ، جبار کو یا قابل کو ملے والے کو یہاں لیا جائے تو ہمارے ساتھ شرک ہوتا ہے اور اس آیت کا انکار کرتا ہے اگر اطلاق سے کسی نبوی وغیرہ کی بات سمجھ بھی ہو جائے تو اس سے ان کی غیب دہی کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ زیادہ تر ان کی باتیں غلط ہی ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ عظم غیب ان کے بس کی بات نہیں۔ اگلے بھی نمونہ اور بھی غلط بھی ہو جاتی ہے۔ صرف وہی ہے جو کبھی غلط نہیں ہوتی اور وہ ان کے علاوہ نہیں! اللہ پاک اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے بتاتا ہے۔ ان کی خواہش پر وہی کا دار و مدار نہیں۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُنْعَمُونَ۔ (ملک ۶۵)

آپ فرمادیں کہ آسمان و زمین میں جتنے لوگ ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے انھیں تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اعلیٰ جائیں گے۔

یعنی غیب کو جانتا کسی کے بس کی بات نہیں خود وہ جیسے ہے یا انسان یا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ دنیا جانتی ہے کہ قیامت کسے لگی لیکن یہ کسی کو خبر نہیں کہ کب آئے گی۔ اگر ہر چیز کا معلوم کرنا ان کے بس میں ہوتا تو قیامت کے آنے کی تاریخ بھی معلوم کر لیتے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (ملک ۶۳)

خدا اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی مہربان ہے وہی جنت کے پتے کو

جانتا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کئی کیا مکلفہ کا گورد نہ یہ معلوم کہ مکمل مرتبہ گلد یاد رکھو غلط خوب جاننے والا اور بڑا خواہر ہے۔

یعنی غیب کی باتیں کی خبر غلط ہی کو ہے اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں جانتا چنانچہ قیامت کی خبر بھی جس کا آغاز موم میں مشہور ہے اور یقینی ہے کسی کو نہیں معلوم کہ کب آئے گی مگر اور جہاں کا تو کیا مگر مطلقاً دھتکت کا صحت و مرض کا اور ای قسم کی دوسری باتوں کا کسی کو بھی علم نہیں۔ یہ باتیں تو قیامت کی طرح مشہور ہیں اور نہ یقینی ہیں۔ اسی طرح بارش کی کسی کو خبر نہیں کہ کب ہوگی حالانکہ اس کا موسم بھی مقرر ہے اور آنسو موسم میں بارش ہوتی بھی ہے۔ اکثر لوگوں کو اس کی خواہش بھی رہتی ہے اگر اس کا وقت کسی طرح معلوم ہو سکتا تو کسی نہ کسی کو ضرور معلوم ہو جاتا مگر جو بے موسم کی چٹریں ہیں اور تمام لوگوں کی خواہش ان سے وابستہ بھی نہیں مطلقاً کسی شخص کی موت و حیات کا ہونا یا نہ ہونا یا مل دار ہونا یا نہ ہونا یا حج و کھت کا ہونا ان جہاں کی ہلاکتی کو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ جنت کے پتے کے بارے میں تمام معلومات کوئی نہیں جانتا کہ ایک ہے یا ایک سے زیادہ؟ نہ یہ ہلاکت کمال ہے یا ناقص؟ اور حور ہے یا پارہ؟ اور خواہر ہے یا بد صورت ہے یا بد صورت ایک جنت ہے یا بد جنت یعنی جنتی ہے یا جنسی ہے اس کا راز کتنا ہے اس کی عمر کتنی ہے مگر انسان کے اندرونی حالات ہر کوئی کیسے معلوم کر سکتا ہے مطلقاً حالت "اروسہ" بتائیں اور ایلات و خلق کا مل۔ جب کوئی یہ نہیں جانتا کہ کئی کیا کرے گا تو وہ دوسروں کا مل کیسے جان سکتا ہے۔ ہر مل اللہ کے سوا کوئی آنکھ کی باتیں لینے اختیار سے نہیں جانتا معلوم ہوا کہ غیب دہی کا دعویٰ کرنے والے سب مجھتے ہیں۔

پکار صرف اللہ ہی سن سکتا ہے

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُمْ دَعْوَاهُمْ

مشرك خدا کو پھوڑ کر ان کی مہارت کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے روزی پہنچانے میں کچھ بھی دخل نہیں دیکھتے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔

یعنی ایسے لوگوں کی اللہ کی ہی تعظیم کرتے ہیں جو قسطنطین سے ہیں۔ روزی پہنچانے میں ان کا کچھ بھی دخل نہیں۔ نہ آسمان سے مینہ برساتا ہے اور نہ زمین سے کچھ اگائیس ایسی کسی طرح کی بھی سکت نہیں۔ معلوم ہوا عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ بزرگوں کا علم میں تصرف کی قدرت ہے مگر عقیدہ الٰہی پر شاکر ہیں۔ اب سے دم نہیں مارے ورنہ اگر چاہیں تو کائنات کو ذرہ و ذرہ کر دیں لیکن شرعی حکمت کا خیال کر کے چپ ہیں یہ قسطنطین ہے کائنات میں نہ ایسی باطل دخل ہے نہ چارہ (Potentially) یعنی ان میں اس قسم کے تصرف کی صلاحیت و قدرت ہی نہیں۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ قُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْتَفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنِ الظَّالِمِيْنَ (رومی ص ۳۹)

اللہ کو پھوڑ کر اس کو مت پکارو۔ جو آپ کو نہ نفع پہنچائے اور نہ نقصان۔ اگر آپ یہاں کریں گے تو آپ غلام بن جائیں گے۔

یعنی عزت و جلال والے خدا کے ہوتے ہوئے ایسے لوگوں کو پکارنا جو نہ نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے سراسر ظلم ہے کیونکہ بڑی سے بڑی سبقت کا مقام مکمل پکارہ لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

قُلْ اَدْعُوا الْبَنِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ قُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَلَا مِّنَ الْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ اَمِنْ شَرِكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ شَيْءٌ ظٰهِيْرٌ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ اِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهُ حَتّٰى اِذَا فُرِعَ عَنْ فُلُوْجِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّنَا فَاِنْ كُنْتُمْ لِلْحَقِّ وَهٰوُ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ سہا)

آپ یہاں دیکھتے پکار کر دیکھو تو کسی جن کو تم نے اللہ کو پھوڑ کر مبود خیالی کر رکھا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر بھی اقتدار نہیں دیکھتے نہ ان میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں کوئی اللہ کا دغا ہے اس کے آگے کسی کی سفارش کام نہیں

آئے گی مگر جس کو وہ اجازت دے دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گہراہت دور ہو جاتی ہے تو کتنے ہیں جسارے رب نے کیا فرمایا اور جو اب دیکھتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہو گا وہی سب سے بلند و بڑا ہے۔

یعنی آڑے وقت کسی سے عزا مانگنا اور جس سے عزا مانگی ہے اس کا عزا کو بڑا کرنا کی طرح ہے۔ جس سے عزا مانگی ہے وہ عزا مانگ ہو یا اس کا سامنے ہو یا اس کا مانگ ہو وہاں جو جیسے بادشاہ دیگر امراء کا کہنا ہی لیتا ہے کیونکہ وہ اراکین سلطنت ہیں اور ان کے ادراخ ہونے سے حکومت کا نظم و نسق بگڑتا ہے یا وہ ملک سے سفارش کرے اور ملک کو اس کی سفارش مافی ہی پڑتی ہے خواہ دل سے ماننے یا نہ ماننے مثلاً شاہزادوں سے یا جنگلات سے بادشاہ کو محبت ہوتی ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے ان کی سفارش روز میں کی جاتی۔ اب غور کرو کہ مشرک خدا کو پھوڑ کر جن بزرگوں کو پکارتے ہیں اور ان سے سفارش دیکھتے ہیں نہ تو وہ کائنات میں پھر کے ایک پرے ملک ہیں نہ ان کا وہی بھر سامنا ہے نہ خدا کی سلطنت کے رکن ہیں اور نہ خدا کے صمیم و مددگار کہ ان سے رب کو کٹھ قتل ان کی بات مانے بلے اور نہ وہ اجازت خداوندی سفارش کے لئے لب مان سکتے ہیں کہ خواہ خواہ اس سے کچھ دلا دیں۔ بلکہ بارگاہِ اہلبیت میں ان کا یہ حال ہے کہ اس کے آگے سب کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور ہر خاص و معرب ہو جاتے ہیں۔ احرام و وحشت کی وجہ سے دوسری دھڑ پھینکے کی بھی جرات نہیں ہوتی۔ بلکہ انہیں میں ایک دوسرے سے پہنچتے ہیں کہ رب نے کیا کہا اور حقیق کے بعد امتداد صدقہ کی کتاب پڑتا ہے چہ چاہیہ بات نہ مانی جائے یا کوئی ولایت و محبت کی جرات کرے۔

شفاعت کی حقیقت

یہاں ایک بات انتہائی کام کی ہے اس کو یاد رکھا جائے کہ عوام انبیاء اور اولیاء کی

شفاقت پر جہاں ہیں اور شفاقت کے غلام مہدی کچھ کرنا کہ بھول گئے ہیں اور حقیقت شفاقت کے معنی سفارش کے ہیں۔ دنیا میں سفارش کی کئی صورتیں ہیں مثلاً بادشاہ کی نگاہ میں چر کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر یا وزیر اس کی سفارش کر کے سزا سے چھوٹ جائے یا سزا کو سزا ہی دیا جاتا ہے یا سزا آئینہ حکومت سے بھر امیر سے وہ کر اسے چھوڑ دیتا ہے کیونکہ امیر کو اس سلطنت ہے اور اس کی وجہ سے سلطنت میں دن رات ترقی ہو رہی ہے بادشاہ یہ خیال کرے کہ اس امیر کو ناراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ حکومت کے نظم و نسق میں گڑبڑ پیدا ہو جائے گی اور فیصلے کو لپی جاتا میں مناسب ہے چر کو معاف فرما دیتا ہے۔ اس قسم کی سفارش کو شفاقت و اجابت کہا جاتا ہے یعنی امیر کی بناء و عزت کی وجہ سے اس کی بات مٹتی گئی۔ خدا کے ہاں شفاقت و اجابت قطعی طور پر ناممکن ہے جو فیصلے کسی غیر خدا کو اس قسم کا فیصلہ دینے والے وہ قطعی شرک ہے اور بڑا جہل ہے اس نے خدا کے معنی سمجھے ہی نہیں شمشاد کی قدر و حرارت پہچانی ہی نہیں۔ اس شمشاد (خداوند قدوس) کی تو یہ شان ہے کہ اگر چاہے تو لفظ کن سے کائنات بنی "ولی جن" فرشتے جبرئیل اور محمد صلی علیہ وسلم کے برابر ایک آسمان میں پیدا کر دے اور ایک دم میں عرش سے فرش تک ساری کائنات کو زیر و زبر کر دے اور دراعا علم پیدا کر دے۔ اس کے تو اوروں ہی سے بڑھتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے ہارنے کی اور سلطان کی حاجت ہی نہیں۔ اگر آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام انسان اور جن جبرئیل و میکائیل جو جائیں تو ان کی وجہ سے سلطنت میں کچھ بھی رد و ترقی نہ ہونے کی اور اگر سب شیطان و جہل بن جائیں تو اس کی حکومت کی کچھ رد و ترقی بھی نہ گھٹنے کی وہ ہر حال میں تمام بندوں کا بڑا اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے نہ کوئی اس کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ بنا سکے۔

سفارش کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شاہنشاہ یا حکم یا بادشاہ کا محبوب کوڑا ہو جائے اور چر کو سزا نہ دینے و سب بادشاہ اس کی محبت کی وجہ سے اسے ناراض نہ کرنا چاہے اور چر کو معاف فرما دے اس کی سفارش کو شفاقت و اجابت کہا جاتا ہے۔ بادشاہ

نے اس کی محبت سے مجبور ہو کر اس خیال سے کہ محبوب کی ناراضگی سے خود مجھے تکلیف پہنچے گی محبوب کی بات مان لیا۔ خدا کے دربار میں یہ بات بھی ناممکن ہے اگر کوئی کسی نبی یا اہل کو اس قسم کا فیصلہ کیجے وہ بھی بظاہر شرک اور ناراضی ہے۔ وہ شمشاد اپنے بندوں کو کتنا ہی نوازے۔ کسی کو حبیب، کسی کو کلیم، کسی کو روح القدس اور کسی کو داعی کا خطاب عطا فرماتے اور کسی کو رسول اکرم "نبین" روح القدس اور روح الطین کے معزز القاب سے نوازے۔ مگر ہر ایک ملک ہی ہے اور غلام غلام ہی ہے۔ ہر ایک کا ایک مقام ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا۔ غلام جس طرح اس کی رحمت سے محاذ ہو کر سرمت سے محو تھا ہے، اسی طرح اس کی محبت سے بھی اس کا پتہ پڑتی ہو تا ہے۔

سفارش کی تیسری صورت یہ ہے کہ چر کی چوری تو ثابت ہو گئی مگر وہ پیشہ ور چور نہیں ہے "بدقسمتی سے اس سے چوری سرزد ہو گئی۔ شرم کے مارے پانی پانی ہے نہ راست سے سرخا ہوا ہے۔ دن رات سزا کا خوف اسے کہا جاتا ہے۔ آئین کی حرمت کو سرور آگاہوں میں چکر رہا ہے اور خود کو یہ کارائین کار لور سزا کا مستحق سمجھ رہا ہے۔ بادشاہ سے ہلک کر کسی امیر یا وزیر کی طرف رخ نہیں کرتے۔ اور اس کے مقابلے میں کسی کی خدمت کا قائل نہیں "شب و روز بادشاہی کا دست تک دبا ہے کہ سرکار علی کے محل سے اس باغی گار گار کے لئے کھڑا تھوڑا ہوتی ہے۔ بادشاہ کو اس کے محل زار پر قریب آ جاتا ہے" اور اس سے دور کرنا چاہتا ہے مگر حرمت آئین کا لحاظ رکھنا چاہتا ہے کہ کہیں قانون کا احترام لوگوں کی نگاہ سے نہ کرے نہ جائے۔ اب کوئی امیر یا وزیر بادشاہ کا اشارہ پا کر سفارش کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے بادشاہ اس امیر کی عزت افزائی کے لئے بظاہر اس کی سفارش کا کام کر کے چر کا قصور معاف فرما دیتا ہے امیر نے چر کی اس لئے سفارش نہیں کی کہ وہ اس کا رشہ دار ہے یا دوست آشنا ہے یا اس کی خدمت کا اس نے دوسرے لائق ہلکے محض بادشاہ کی مرضی دیکھ کر سفارش کے لئے کھڑا ہوا ہے کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ کہ چروا کا مانی کیونکہ چر کا مانی بھی چر ہو تا

ہے اس قسم کی سفارش کو شفاعت یا توفیق (بہار و مرضی سے سفارش) کہا جاتا ہے۔
دربار خداوندی میں اس قسم کی سفارش ہو کہ قرآن پاک میں جس نبی یا ولی کی
شفاعت کا بیان ہے وہ یہی شفاعت ہے لہذا ہر انسان کا فرض ہے کہ اللہ ہی کو پکارے
اسی سے ہر وقت دارنا رہے۔ اسی سے گناہوں کی معافی مانگا رہے۔ اسی کے آگے
گناہوں کا معترف رہے۔ اسی کو اپنا مالک اور مانتی سمجھے۔ اللہ کے سوا اپنے کبھی لکھنا نہ
چاہے اور کبھی کسی حدیث پر اکتفا نہ کرے۔ کیونکہ ہمارا رب یہی مددگار ہے۔ اللہ کے
اور امتحان میں ہے وہ اپنے فضل و کرم سے سب گناہ کاغذ کاغذ سے اور اپنی مہربانی
سے سارے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور جس کو چاہے گا اپنے گناہ سے توبہ فرمائیے گا
وہ گناہ

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لیسنا لحدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی لیسال الصلح وحشی بسئلہ
شیع نعلہ اذا انقطع (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک
مسلمان کو اپنے رب سے اپنی ساری ضرورتیں مانگنی چاہئیں۔ یہی تک کہ تک اور
جسے کا قبر جب وہ لوٹ جائے اسی سے مانگے۔

یعنی اللہ پاک کو دنیوی و دینی باتوں کی طرح نہ سمجھو کہ بڑے کام تو خود کرتے ہیں
اور چھوٹے چھوٹے کام تو ان سے کراتے ہیں اس لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے
کاموں میں تو ان سے انتہائی پرہیزی ہے نہ کہ ان کا غفلت یہاں نہیں ہے وہ ہر مطلق تو
پاک جھینٹے میں ہے ہر چھوٹے بڑے کام ٹھیک فرمادیتے ہیں اس کی مصلحت میں کوئی
شریک اور سامی نہیں اس لئے چھوٹی سے چھوٹی چیزیں بھی بروہ راست اس سے مانگو
کیونکہ اس کے سوا کوئی اور نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے اور نہ بڑی۔

عن ابی ہریرۃ قال لما نزلت والذین عشیرتک الاقرعین دعا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرابۃ فعم وخص فقال یا بنی کعب ابن

لوی انقلوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ شیئا ویا بنی
مرۃ بن کعب انقلوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ
شیئا ویا بنی عبد شمس انقلوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم
من اللہ شیئا ویا بنی عبد مناف انقلوا انفسکم من النار فانی لا
اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا بنی ہاشم انقلوا انفسکم من النار فانی
لا اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا بنی عبد المطلب انقلوا انفسکم من
النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا فاطمۃ انقلی نفسک من
النار صلیبی ماشت من مالی فانی لا اغنی من اللہ شیئا۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا جب تو آنحضرتؐ عیشیرتک الاقرعین اپنے قریبی
رشتہ داروں کو اذی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کو ہر ایک
فرمایا کہ اے اولاد کعب بن لوی اپنی جانوں کو اللہ سے بچو میں اللہ کے عذاب سے
تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد مرہ بن کعب اپنی جانوں کو اللہ سے بچو میں اللہ
کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد عبد شمس اپنی جانوں کو اللہ سے
بچو میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد عبد مناف اپنی جانوں
کو اللہ سے بچو میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے اولاد ہاشم
اپنے نفسوں کو اللہ سے بچو میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ اے
اولاد عبد المطلب اپنی جانوں کو اللہ سے بچو میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہ
آسکوں گا۔ اے فاطمہ اپنی جان کو اللہ سے بچا لے مجھ سے میرا دل لے لے جو کچھ
مجھے چاہیے کیونکہ میں اللہ کے عذاب سے کام نہیں لے سکتا۔

یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے رشتہ دار ہوتے ہیں انہیں بزرگوں کی حمایت کا
بھروسہ ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ غفلت ہو کر خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ پاک نے
اپنے محبوب و پیارے کو اپنے رشتہ داروں کو ہتیار کر دیں۔ یہ آپ نے ایک ایک

کو یہاں تک کہ اپنی ٹولی صاف صاف تارواک حق قربت اسی چیز میں
مکمل ہے جو انسان کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں مل ہے اس کے دینے میں اہل
سے کام نہیں لیتا لیکن خدا کے ہاں کا حلال میرے اختیار سے باہر ہے وہاں کسی کی بھی
ممانعت نہیں کر سکتا اور کسی کو بھی وکیل میں میں نہ سکتا ہر شخص قیامت کے لئے اپنی
اپنی تہیاری کر لے اور دوزخ سے بچنے کی تیاری کر لے۔ معلوم ہوا کہ کسی بزرگ
کی نظر رشہ داری خدا کے ہاں کام آئے وہی نہیں جب تک انسان خود ایک عمل نہ
کرسے بڑا پار ہونا مشکل ہے۔

شرک فی العبادت

عبادت ان کاموں کو کہا جاتا ہے جو حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے مقرر فرمائے
ہندوں کو سکھائے ہیں۔ یہاں ہمیں یہ بتانا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے
کون کون سے کام بتائے ہیں مگر غیر اللہ کے لئے وہ کام نہ کئے جائیں اور شرک سے
بچا جائے۔

عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِتَيْنَ لَكُمْ بُيُوتًا مَّشِينًا ۚ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا
الْعَزَازِي ۚ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (سورۃ ہود)

تاکہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیج دیا انہوں نے کہا کہ اسے قوم میں
جس ایک کلمہ ادا کرنے والا ہوں اس بات سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے
مجھے تم پر قیامت کے دن کے دردناک عذاب کا اندیشہ ہے۔

یعنی مسلمانوں اور کافروں میں حضرت نوح کے زمانے سے بھلا چلا آ رہا ہے۔

اللہ کے متعلو ہونے سے یہی کہتے آئے ہیں کہ اللہ کی ہی تعظیم غیر اللہ کی نہ کرے۔ قرآن
وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ
وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ رِيبًا تَعْبُدُونَ (م جہدہ
۳۷)

رات دن اور سورج اور چاند اس کی مخلوق میں سے ہیں۔ سورج کو اور چاند کو
جہدہ نہ کرے۔ اس اللہ کو جہدہ کرے۔ جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اس کی عبادت
کرتے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جہدہ عطا کی کا حق ہے لہذا کسی مخلوق کو
جہدہ نہ کیا جائے خواہ وہ چاند سورج ہوں یا مادی ہوں یا جن اور فرشتے ہوں۔

غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے

وَإِنَّ الْمُسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۚ وَاللَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ
يَدْعُوهُ كَانُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَاءً ۚ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا اشْرِكُ بِهِ أَحَدًا
○ (سورۃ جن)

یقیناً ہر مسجد میں اللہ کی ہی ہے لہذا اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو اور جب
اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑی بھیڑی کر اس پر
جنگ پڑیں آپ فرمادیں کہ میں تو اپنے رب کی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو
شریک نہیں رکھتا۔

یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اپنے پاک و صاف دل سے خدا کو پکارتا ہے تو یہ زبان
کھلتے ہیں کہ بڑا بڑا ہوا ہے۔ غوث و قطب ہے جس کو جو چاہے دے دے اور جس
سے جو چاہے چین لے اس سے نعمت کے نعمت اس کے پاس اس امید پر جمع ہو جاتے
ہیں کہ کوئی نادانہ سے گلاب اس بندے کا فرض ہے کہ کچھ کچھ بات تارے کہ آئے

تپ فرما دیجئے کہ میں کھانے والے ہر کسی چیز کو حرام میں یا کہ وہ اسے کھائے مگر وہ چیز جو حرام ہے یا پینے والا خون ہے یا خنزیر کا گوشت ہے کیونکہ یہ ناپاک ہے یا گندہ کی چیز ہے کہ اسے غیر طہ کے نام پر مشہور کیا گیا ہو۔ اور اگر کوئی بھور ہو جائے نہ تو تافرنی کرے نہ حد سے باہر نکل جائے تو شمار پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی جس طرح سورہ خون اور حرام ہے اسی طرح وہ جانور حرام ہے جو گندہ کی صورت میں ہو کہ اللہ کے نام کا نہیں بلکہ کسی اور کے نام کا ہے مسموم ہو کہ جو جانور کسی مخلوق کے نام پر بھور کر دیا جائے وہ حرام و ناپاک ہے۔ مثلاً یہ کہ دیا جائے کہ یہ سید احمد کبیری کا گئے یہ شیخ سعد کا بکرا ہے وغیرہ۔ اس تحت میں اس بات کا بیان نہیں کہ وہ جانور جب ہی حرام ہو گا جب ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے بلکہ محض بھور کرنے ہی سے حرام ہو گئیہ اگر کوئی جانور مرلی ہو یا کبھی 'لوٹ' ہو یا گائے کسی مخلوق کے نام کا کر دیا جائے خواہ وہی کے نام کا ہو یا نبی کے۔ 'پاپ' و 'درا' کے نام کا ہو یا جیرو شیخ کے نام کا ہو وہ قطعی حرام و ناپاک ہے اور ہم کرنے والا شرک ہے۔

شرک فی العلوات سے متعلق ارشاد نبویؐ

عن معاوية قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سره ان يشتمل له الرجال قياما فليتيوه مقلعه من النار۔ (تذقی)

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اس بات سے سرت ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویروں کی مانند کھڑے رہیں تو وہ اپنا لٹکانا جنم میں ڈالے۔

یعنی جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ لوگ اس کے سامنے پادب ہاتھ ہاتھ سے ہونے کھڑے رہیں نہ بیٹیں بیٹیں نہ اور بھر دیکھیں اور نہ بولیں چاہیں بلکہ بت بنے

ہونے کھڑے رہیں وہ ذوقی ہے کیونکہ وہ نہ ان کی کا وہ عباد ہے کہ جو تعظیم اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے وہی اپنے لئے چاہتا ہے۔ لہذا میں لازمی ہاتھ ہاتھ کر چپ چاپ اور لوح دیکھے بغیر کھڑے ہوتے ہیں اور ایسا قیام اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ مسموم ہوا کہ کسی کے سامنے لوہ و تعظیم کی فرض سے کھڑا ہونا جائز اور شرک ہے۔

عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من اعدى بالمشرکین و حتى تعبد قبائل من اعدى الاوثان۔

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں آئے گی جب تک میری امت کے قبیچے مشرکوں میں نہ جائیں اور بت پرستی اختیار نہ کر لیں۔ (تذقی)

بت نہ طرح کے ہوتے ہیں۔ کسی کے نام کی تصویر یا مورتی بنا کر اس کو پوجا جائے اس کو مورتی میں صنم کہا جاتا ہے۔ کسی جگہ کو درخت کو یا چٹائی بکڑی کو یا کھنڈ کو کسی کے نام پر مقرر کر کے پوجا جائے اس کو وثن کہا جاتا ہے۔ 'قبر' چلہ 'اللہ' پھڑی 'توق' 'علم' 'امام' قاسم کی اور شیخ عبد اللہ کی مندی۔ امام کا چہرہ توہ اور استند و مثل کے بیٹنے کی جیسے یہ سب وثن میں داخل ہیں اسی طرح شہید کے نام کا خلق 'نکن اور توپ' جس پر بکرا چڑھایا جاتا ہے اور اسی طرح بعض مکانات بناروں کے نام سے مشہور ہیں جیسے شٹلا کا مسکن کلا بولانی کلا نکل کھنڈ والی کا کلا کلا بڑائی کا یہ سب وثن ہیں۔ صنم اور وثن دونوں کی پرستش سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے خبر دی کہ قیامت کے قریب مسلمانوں کا شرک اسی قسم کا ہو گا۔ یہ مخالفہ دوسرے مشرکوں کے جیسے ہندو یا عرب کے مشرک کہ انکو مورتوں کو بولتے ہیں اور اللہ کے رسولؐ کے دشمن ہیں۔

عن ابی الطفیل ان علیا رضی اللہ عنہ اخراج صحیفۃ فیہا لعن

پکارتے ہیں جس پر اللہ نے پھلکار ڈال دی ہے اس نے کہہ دیا ہے کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقررہ حصہ انگ کر دوں گا میں انہیں گمراہ کے بغیر گزندہ واسے بغیر اور عزم کے بغیر نہ دوں گا وہ چاندوں کے کھنکٹ وائیں گے اور میں انہیں عزم کروں گا کہ وہ اللہ کی پیدائش کو بدل وائیں گے جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ زبردست عملے میں چڑھیں شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور ایسی ہی بددعا کرتا ہے شیطان ان سے وعدہ کر کے انھیں دھوکہ کر رہا ہے انہیں لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جس سے وہ بھاگ نہ سکیں گے۔

یعنی وہ فیضان کو پکارتے ہیں وہ اپنے خیال میں عورتوں کے بھاری ہیں۔ کوئی تو حضرت بی بی کو کوئی بی بی اسم کو کوئی بی بی لائی کو کوئی دل پر بی کو کوئی سیاہ پر بی کو کوئی سیٹھا کو کوئی مٹی کو لور کوئی نکل کو چتا ہے۔ یہ محض خیالات ہیں ورنہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ نہ کوئی عورت ہے نہ کوئی مرد۔ محض خیال خام اور شیطانی دوسرے ہے۔ جس کو مسجد خالی ہے اور یہ جو پردہ ہے اور بھی کوئی تلاش بھی دکھا دیتا ہے شیطان ہے۔

ان مشرکوں کی تمام عبادتیں شیطان کے لئے ہو رہی ہیں یہ اپنے خیال میں خدا و نواز عورتوں کو دیتے ہیں مگر درحقیقت شیطان کے لئے ہے انہیں ان باتوں سے نہ دینی کاغذ ہے اور نہ دعویٰ کیونکہ شیطان رائدہ درگاہ سے اس سے دینی کاغذ تو ہونے سے رہا کیونکہ یہ انسان کا دشمن ہے بھلا کیسے اس کا بھلا چاہے گا یہ تو خدا کے سامنے کہ چکا ہے کہ میں جیسے بہت سے بندوں کو اپنا باندہ بنالوں گا ان کی عقلیں ایسی ماروں گا کہ اپنے خیالات ہی کو بولتے نہیں گے جیسے ہم کے جائز مقرر کریں گے۔ میں یہ میری نواز کا نشان ہو گا خلاف اس کا کہن جی وائیں گے یا اس کے گھٹے میں کمر بند لال دیں گے۔ ہاتھ پر صندی لگا دیں گے منہ پر سراج پاندہ دیں گے منہ کے اندر پتھر رکھ دیں گے۔ ہمرمل ہر وہ علامت جو یہ چاہتے کہ یہ جائز لڑائی کی نواز کا ہے اسی میں داخل ہے۔ شیطان یہ بھی کہ آیا ہے کہ میرے اثر سے لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو بگاڑ لائیں

اللَّهُ عَنْ ذُبْحِ الْغَيْرِ اللَّهُ (مُحَلِّم)

حضرت ابو اصفیاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ صریح قہمی کہ جس نے جلاکو غیر اللہ کے نام پر نذر کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔

یعنی جو شخص اللہ کے سوا کسی حقوق کے نام کا چادر لٹا کرے وہ ملعون ہے۔ حضرت علیؑ نے ایک کاپی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں لکھ رکھی تھیں۔ نقل ان میں یہ حدیث بھی تھی۔ معلوم ہوا کہ چادر اللہ ہی کا نام لے کر لٹا کرے سے حلال ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر چادر لٹا کر شرک ہے اور چادر بھی حرام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ چادر بھی حرام ہوتا ہے جو غیر اللہ کا نامزد ہو خواہ اس پر اللہ کے وقت اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

شرك في العلوات

اس باب میں ان نبیات و اعلیٰ کا بیان ہے جن سے طہارت ہو آئے ہے کہ جس طرح انھیں دعویٰ کاموں میں طرح طرح سے اللہ کی تعظیم بجا آتا رہتا ہے ایسا معاملہ غیر اٹل سے نہ کیا جائے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْتَا وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَلَالٍ ۚ لَعَنَ اللَّهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَجِيبًا مَفْرُوسًا ۖ وَلَا تَسْتَفْتِهِمْ ۚ وَلَا يُجِيبُهُمْ وَلَا تُجِيبُهُمْ فَلْيَقْصِرْ تَقَرُّؤَكَ عَلَىٰ نَفْسِكَ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ الشَّيْطَانُ فَلَيْسَ لَهُ شَيْءٌ مِنْ اللَّهِ ۚ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا ۚ تُبِيعَهُمْ وَيُجِيبُهُمْ وَمَا يَعْلَمُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُوزًا ۚ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يَدْخُلُونَهَا حَتَّىٰ يَمُوتُوا ۚ (سورة النازعات: ١٧-٢٤)

یہ مشرک اللہ کو چھوڑ کر صورتوں ہی کو پکارتے ہیں بلکہ سرکش شیطان ہی کو

میں جو سب و احرام بجالاتے ہیں وہ اللہ کی نیاز میں نہیں بجالاتے۔

چوپایوں میں شرک

وَقَالُوا هَذِهِ أَمْثَالُ مَا وَسَّخَرْنَا مِنْكُمْ لَئِيْلَ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ
أَمْثَالُ مَا وَسَّخَرْنَا مِنْكُمْ لَئِيْلَ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ أَمْثَالُ مَا وَسَّخَرْنَا مِنْكُمْ لَئِيْلَ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِكُمْ
سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (مائدہ ۳۹)

کہتے ہیں کہ یہ جانور اور بھیڑیالو ہے اسے کوئی نہ کھائے علاوہ اس کے جسے ہم چاہیں (محض اپنے خیال سے) بعض جانوروں کی سواری منع ہے اور بعض جانوروں پر اللہ کا حکم نہیں چلتے یہ سب اللہ پر بستن ہے وہ ان کے بستن کی جلدی سزا دے دے گا۔

یعنی لوگ محض اپنے خیال سے کہہ دیتے ہیں کہ اللہ چیز الہیاتی ہے اس کو فلاں شخص کھا سکتا ہے۔ بعض جانوروں کو دوسرے نہیں اور سواری بھی نہیں کر سکتے دیتے کہ یہ فلاں کی نیاز کا جانور ہے اس کا سبب کرنا چاہتے اور بعض جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر جلا کر دیتے ہیں کہ ان کھان سے اللہ خوش ہو گا اور عروسیں برائے گھر ان کے یہ نیابت و افعال بھولتے ہیں جن کی وہ ضرور سزا پائیں گے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنَ بَشَرٍ مِنْكُمْ شَيْئًا وَلَا سَائِبِ وَلَا وَصِيْلَةً وَلَا حِمَامًا وَلَٰكِنَّ الْبَشَرَ كَفَرُوا بِغَفَرَتِ عَلَيْهِمْ اللَّهُ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (نساء ۳۳)

اللہ نے نہ بھیر کو نہ سائب کو نہ وصیلہ کو اور نہ حمان کو جانور بنا دیا لیکن کافر اللہ پر طعن اٹھاتے ہیں اور اکثر انکے ہیں۔

اور جانور کسی کے نام کا جانور کر دیا جاتا تو اس کا کائنات پر دیا جاتا اس کو بھیر کہتے تھے سائب کو سائب کہا جاتا تھا جس جانور کے بارے میں یہ سنت مانی جاسکے کہ اس کا بچہ نہ پیدا ہو تو اس کی نیاز میں دے دیا جاسکے گا پھر اس کے زور و بلا دونوں پیدا ہوتے ہیں تو

زکو بھی نیاز میں نہ دیتے ہیں دونوں بچوں کو مید کہا جاتا تھا اور جس جانور سے دوسرے بچے پیدا ہو جاتے تھے اس پر سوار ہوا اور لڑا پھوڑ دیتے تھے اس کو حمان کہا جاتا تھا قرطبہ یا انجلی شری نہیں ہیں دیکھیں۔ معلوم ہوا کہ کسی جانور کو کسی کے نام کا جانور دینا اور اس پر اس کی طاعت لگا دینا اور یہ مقرر کرنا کہ فلاں کی نیاز کھائے فلاں کی کھائی اور فلاں کی مرغی ماری ہوتی ہے یہ سب جھٹلانہ دیکھیں ہیں اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السَّبْعُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَقْتُلُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَقْتُلُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يَقْبَلُونَهُ (محل ۳۱)

بھوت نہ کہو جس کو تماری زبانیں بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر بھوت پڑے۔ چین باز جو لوگ اللہ پر بھوت پڑتے ہیں وہ قلعہ کو میں پہنچتے۔

یعنی اپنی طرف سے حلال و حرام مقرر نہ کرو یہ خدا کی شان ہے اور اس طرح کہنے سے اللہ پر بھوت پڑتا ہے۔ یہ خیال کہ اگر فلاں کلمہ اس طرح کیا جائے تو ٹھیک ہو جائے گا اور نہ اس میں گڑبگ ہو جائے گی اللہ ہے کیونکہ خدا پر بھوت پڑنا کہ انسان کھوپڑی حاصل نہیں کر سکتا معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ کہ حرم میں پانی نہ کھلایا جائے لال پکڑے نہ پئے جائیں حرم اور رجب میں نکاح نہ کیا جائے دسویں حرم کو بھڑا کھلا اور تقسیم کیا جائے اور شب براءت کے موقع پر طہری کھلایا جائے شہ عید الفطر صاحب کا عقد طہری ہے اس کو احتیاط سے بچا اور عقد پینے والے کو نہ کھلاؤ۔ شہ عید کی نیاز بعد ہی ہے۔ بعضی قدر کی نیاز سواں اور اصحاب کعبہ کی گوشت روٹی ہے۔ شادی کے موقع پر فلاں فلاں اور موت و حیات کے موقع پر فلاں فلاں دسویں کا انعام نہ ضروری ہے۔ شوہر کی موت کے بعد نہ شادی کرو نہ شادی میں بیعت نہ اہل الذمہ فلاں نکاح پکڑا اور فلاں سر پکڑا نہ پونہ یہ بھی ایک قسم کا شرک

ہے۔ کہ شرع کا حکم دیا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جبکہ یہ بھی حکم گمراہ ہے جس کو ان کو اللہ کے حکم کی بات سمجھ رہے ہیں۔ یہ شرک کی بات ہے۔

علاوات میں شرک کے متعلق احادیث

عن زید ابن خالد الجہنی قال صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوة الصبح بالحدیبیۃ علی اثر سماء کانت من اللیل فلما انصرف اقبل علی الناس فقال هل تفرحون ما فانا قال ربکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال قال اصبح من عبادی مومن بی وکافر بی فاما من قال مطرنا بغضل اللہ ورحمۃ فذلک مومن بی وکافر بالکواکب واما من قال مطرنا بنوء کذا فذلک کافر بی ومومن بالکواکب (بخاری۔ مسلم)

نہ یخلف یعنی سے روایت ہے کہ ایک دن صبح میں رات کی بارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی تہذیبی لڑ سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کام کیا ہے جو آپ دیکھ لے اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں کہ اس نے کیا کام کیا ہے جس نے صبح کی بکھڑکھڑ سے اور کچھ کھڑکھڑ سے جس نے کہا اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور تمہارے ساتھ کھڑکیا اور جس نے کہا کہ لگائی گئی تھی تو اس سے بارش ہوئی۔ اس نے میرے ساتھ کھڑکیا اور تمہارے پر ایمان لایا۔

یعنی جو شخص کائنات میں مخلوق کی اصل تاثیر سمجھتا ہے اسے حق تعالیٰ اپنے عکسوں میں غمراہ بنا دیتا ہے کہ وہ جتنا پرست ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ سارا کائنات خدا کے حکم سے چل رہا ہے وہ اس کا مقابل بندہ ہے ستارہ پرست نہیں۔ معلوم ہوا کہ نیک و بد سامعین کے ہاتھ اچھی بری آدمیوں کے ہاں ان کے پرچھے اور تجربی کی بات

پر یقین کرنے سے شرک کا درجہ ہے کیونکہ ان سب کا تعلق نجوم سے ہے اور نجوم کا تعلق ستاروں پرستوں کا حکم ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس بابا من علم النجوم بغیر ما ذکر اللہ فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم کاہن والکاہن ساحر والساحر کافر۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم نجوم کا کوئی مسئلہ سمجھا بغیر اسی صورت کے جو اللہ نے بیان کی ہے تو اس نے جہود کا ایک حصہ سیکھ لیا کائنات سے اور کائنات جہود گر ہے اور جہود گر کافر ہے۔ یعنی قرآن پاک میں آدموں کا بیان ہے کہ ان سے خدا کی قدرت و حکمت معلوم ہوئی ہے ان سے آسمان کی خواہشوں سے اور ان سے شیطان کو بار کریمہ دیا جاتا ہے یہ بیان نہیں ہے کہ ان کا عقل قدرت میں دخل ہے۔ دنیا کی بھلائی برائی انہیں کے اثرات ہیں۔ اب اگر کوئی آدموں کے پہلے فائدہ چھوڑ کر یہ کہے کہ انہیں کی تاثیرات عالم میں کار فرما ہے اور فہم کا دعویٰ کرے۔ جس طرح جاہلیت میں جنوں سے پوچھ پوچھ کر کائنات فہم کی باتیں بیان کیا کرتے تھے اسی طرح نبوی آدموں سے معلوم کر کے کہتے ہیں گویا کائنات نبوی "مخلی" بدل" جہاد سب کی ایک ہی بات ہے۔ کائنات جہاد گردن کی طرح جنوں سے وہ حق کا کھانا ہے اور جنوں سے وہ حق ان کو مانے بغیر پیدا نہیں ہوئی جب ان کو پکارا جائے اور بھوک دیا جائے تو وہ حق پیدا ہوئی ہے لہذا یہ کفر و شرک کی باتیں ہیں۔

عن حفصۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اتى عرفا فساله عن شئ لا یقبل صلاته اربعین یوما۔ (مسلم)

ہم المؤمنین حضرت حفصہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی سے سوال کرے جس کی دعا قبول نہیں ہوتی اس سے کچھ نہ پوچھا تو اس کی پچاس دن تک نماز

قول میں ہو گئے۔

یعنی جو شخص قیب کی باتیں سنا کر دوسرے کو دیکھ رہا ہے اگر اس سے کسی نے جا کر کہہ دیا تو اس کی پائیس دن تک عورت قتل قول میں رہی کیونکہ اس نے شرک کیا اور شرک عورتوں کا نور مٹاتا ہے۔ بخاری 'مجلس' بخاری 'مجلس' والے جملہ ٹکڑے۔ سب حراف میں داخل ہیں۔

عن قبيصة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال العباقة والطرق والطيرة من الجبوت۔

عبرت تیس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھون لینے کے لئے چادر اڑانا قاتلانے کے لئے کچھ دانا اور بد گھنٹی ٹکڑیوں سے ہے۔

عرب میں گھون لینے کا بہت دواغ تھا اور ان کا گھون پڑا اعتقاد تھا اس لئے آپ نے کئے کے بارے فرمایا کہ یہ شرک ہے تاکہ لوگ باز آجائیں۔

عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الطيرة شرک الطيرة شرک الطيرة شرک۔ (بخاری)

عبرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھون لینا شرک ہے گھون لینا شرک ہے گھون لینا شرک ہے۔

عن سعد بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا هامة ولا عذوى ولا طيرة وان تكن الطيرة في شئ ففعل العار والفارس والعرافة۔ (بخاری)

عبرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ الوہب نہ کسی کا کسی کو عرض لگانا ہے۔ اور نہ کسی چیز میں نخواست ہے اور اگر نخواست ہوئی تو عورت مگر اور گھوڑے میں ہوئی۔

عرب کا عقیدہ تھا کہ جس محتال کا دل نہ لیا جائے اس کی کھوپڑی میں سے اٹھ کر فریاد کرتا پھرنا ہے اس کو پسند نہ آتا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ بات باطل ہے

نہاد ہے۔ معلوم ہوا کہ جناح بھی قلعی ہے نہاد ہے۔ عرب میں بعض بتوں کے پیچھے کھلی 'کوڑھ' دینا کے حلقے یہ بتل تھا کہ ایک دوسرے کو لگ جاتی ہیں اور سمجھتے تھے کہ یہ بتوں کی ذاتی تاثیر ہے یا خود ایک کی بتاری (اس کا سبب نہیں) دوسرے کو لگ جاتی ہے فرمایا یہ بات غلط ہے۔

لوگوں میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ قلعی کلم لٹاں کو چھپا کر ہے 'راس نہیں آیا' یہ بھی غلط ہے فرمایا کہ اگر اس بات کا کچھ اثر ہے تو تین ہی چیزوں میں ہے مگر 'مکودا' عورت میں یہ چیزیں کبھی چھپا کر جنت ہوتی ہیں مگر ان کی چھپا کر معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تھی یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ شیر دہلی گھر 'ستارہ' چٹائی مکودا اور کل بھی عورت غم ہوئی ہے یہ سب بات ہے مسلمانوں کو ان باتوں کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ اگر نیا مکان یا مکودا فرمایا جائے یا عورت سے شادی کی جائے تو اللہ ہی سے اس کی بھلائی مانگیں اور اسی سے اس کی برائی سے بچنا مانگیں بتی اور چیزوں میں یہ خیال نہ کریں کہ لٹاں کلم راس آیا اور قلعی نہیں آیا۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عدوى ولا هامة ولا صفر۔ (بخاری)

عبرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ دعوت چمات ہے نہ الوہب اور نہ صفر ہے۔

عرب والے دھوکے کی بتاری کو بلا کا اثر خیال کیا کرتے تھے کہ اس کے جنت میں کوئی بلا بھی ہوئی ہے جو لٹا چن کر جاتی ہے اسی نے اسے قریب کا بیت نہیں بھرا اس بیعت کا نام صفر تھا آپ نے فرمایا کہ یہ قلعی واحد ہے دعوت دوت کچھ نہیں۔ معلوم ہوا کہ بتاریوں بلا کے اثرات سے نہیں ہوتیں۔ بعض لوگ بعض بتوں کو بلا کا اثر خیال کرتے ہیں جیسے سیتکا۔ سمنی۔ برائی وغیرہ مگر یہ بات غلط ہے جاہلیت میں یہ مضر کو غم خیال کرتے تھے اور اس میں کوئی نیا کام نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ صفر کے تیرہ دنوں کو غم سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان

میں بلانیں اترتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام بھی جبرہ تیزی رکھا گیا کہ ان کی تیزی سے کمر بگڑ جاتے ہیں لہذا یہ اسی طرح کسی چیز کو یا تبلیغ کو یا دن کو یا مسامتہ کو جس کہتا شرک کی باتیں ہیں۔

عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذہ من معہم فوضعہا معہ فی القصعة فقال کل ثقیۃ باللہ و توکلہا علیہ (ابن ماجہ)
حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ چلا دیا کہ کر فرمایا: اللہ پر اتکا اور ہمسرا کر کے کھانا۔
یعنی ہمارا اللہ وہ توکل اللہ پر ہے وہ شے ہے ہمارے دے اور جسے چاہے ہم دست کر دے۔

عن جبیر بن مطعم قال انی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال جہدت الانفس وجاع العیال و هکت الانعام فاستسق اللہ لنا فانما نستشفع بک علی اللہ و نستشفع باللہ عنیک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ سبحان اللہ فما زال یسبح حتی عرف ذلک فی وجوہ اصحابہ ثم قال ویحک انہ لا یستشفع باللہ علی احد شان اللہ اعظم من ذلک ویحک انتری ما اللہ ان عرشہ علی سموانہ ہکذا وقال باصابعہ مثل القیۃ علیہ وانہ لیبط بہ اعطی التر حل بالتر اکبہ (ابن ماجہ)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وہابی نے آکر کہا لوگ مشقت میں پڑ گئے۔ بچے بھوک سے بلہا رہے ہیں جانور ہلک ہو گئے۔ آپ انہوں نے اللہ سے بارش کی دعا مانگی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کو شفیع مانا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع اور سفارشی مانا چاہتے ہیں فرمایا: سبحان اللہ سبحان اللہ یعنی اللہ بڑا ہے۔ آپ اتنی دیر تک اللہ کی پاکی بیان کرتے رہے کہ صحابہ کے چہروں میں اس کا اثر محسوس ہونے لگا پھر فرمایا ہمارے اللہ

پاک کسی سے سفارش نہیں کرتا اس کی شہادت اس سے بلند و برتر ہے۔ ہمارے ہاتھ نہ اٹھایا گیا ہے اس کا عرض اس کے آسمانوں پر اس طرح ہے۔ اور انھیں سے گنبد کی طرح ہمارے اس کی وجہ سے وہ چرچا رہا ہے جس طرح کونٹ کی کاغی سوار کے ہاتھ سے چرچا رہا ہے۔

یعنی ایک دھڑ عرب میں نقد پڑ گیا بارش بند ہو گئی۔ ایک وہابی نے آپ سے کہا: آپ آکر لوگوں کی حالت دار بیان کی اور آپ سے دعا کو کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی سفارش اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے پاس چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر آپ خدا کے رعب اور خوف سے کانپنے لگے اور آپ کی زبان پر خدا کی پناہ کے کلمات آگئے حاضرین مجلس کے چہروں پر خدا کی عظمت سے تحیر کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر آپ نے اس کواد کہ کھانا اگر اختیار تو مانگ ہی کا ہے اگر ملک سفارش کی وجہ سے ہم کر دے تو اس کی موتی ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ ہم اللہ کو مقبرہ کے پاس سفارش بنا کر لائے تو گویا ملک و مقار مقبرہ کو بنا دیا گیا حالانکہ یہ شہنشاہی ہے۔ آئندہ اس قسم کا کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ خدا کی شہادت ہی جی ہے تمام انبیاء اور اولیاء اس کے سامنے ہے ہیں ہیں۔ تمام آسمان اور زمین کو اس کا عرض ایک گنبد کی طرح گھیرے ہوئے ہے عرض ہمارے اللہ کا ہے ہم گھر بھی اس شہادت کی عظمت کو نہیں سمجھ سکتا اور چرچا رہا ہے عقل کے قصور میں اس کی عظمت نہیں آتی اور اس کی عظمت کو اپنے خیالات سے فراہم بھی نہیں کر سکتے اس کے ہم میں دخل دے اور اس کی عظیم سلطنت میں ہاتھ دھاننا تو درکنار وہ شہادت پادشاهان اور ظفر کے اور ہاؤز و مقبرہ کے ایک میں اس کو ہمارے ہم کر دے ہمارے کس کے پاس آکر سفارش کر سکتا ہے اور کون اس کے سامنے غبار بن سکتا ہے۔

لوگوں میں ایک قسم مشہور ہے جس میں یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ یا شفیع علیہ القدر بیطانی شہنا۔ یعنی اسے شفیع اللہ کے واسطے ہماری مراد پوری کر دے۔ یہ شرک اور بے ادبی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگرچہ بظاہر یہ ادبی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس

سے مراد کچھ اور ہے تو اس کا یہ کلام خود ہے یعنی ہے کیونکہ خدا کی ذات پابلیوں سے بالاتر ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسماءکم عبد اللہ و عبد الرحمن۔ (مسلم)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے بہت ہی زیادہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔

انہیں ناموں میں عبد القدوس، عبد الملک، عبد اللطیف، عبد اللہ، خدا، اللہ اور وغیرہ داخل ہیں جن میں اللہ کی طرف نسبت پیدا ہوئی ہے۔

عن شریح بن ہاشم عن ابیہ انہ لما وفد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع قومہ سمعہم یکنونہا بآبی الحکم فذہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ هو الحکم والہ الحکم فلم نکسہ ابا الحکم (بخاری و ترمذی)

حضرت جانی کا بیان ہے کہ جب میں اپنی قوم کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے ان سے سنا کہ مجھے میرے ساتھی ابو الحکم کہہ کر توادار دیتے ہیں۔ آپ نے مجھے یاد کر فرمایا کہ تم اللہ ہے۔ تم اسی کا ہے۔ تمہاری کنیت ابو الحکم کہیں رکھی گئی ہے۔

یعنی ہر قبیلہ کا پکا دن اور ہجرے کا دن وہ اللہ ہی کی شان ہے جس کا قبور آخرت میں ہو گا کہ وہی انکے چنگلے سارے ہجرے ہو جائیں گے ایسی کسی طاقت حلق میں نہیں۔ معلوم ہوا کہ جو اللہ ہی کی شان کے لائق ہے۔ اسے کسی غیر کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ مثلاً شیشہ خدا ہی کو کہا جائے سارے جہان کا خدا نہ ہو چاہے کہ واسلہ۔ یہ جملہ خدا ہی کی شان میں بولا جا سکتا ہے۔ اسی طرح میوہ، پیا ہے نیاز اور بے پرواہی و غفلت خدا ہی کی شان کے لائق ہیں۔

عن حذیفہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نقولوا ماشاء

اللہ و ماشاء محمد و قولوا ماشاء اللہ و حمد۔ (شرح السنہ)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہ کہہ دوں گا کہ اللہ نے چاہا اور تم نے چاہا بلکہ میں کہوں گا اللہ و اللہ لا شریک لہ نے چاہا۔ یعنی شان الوہیت میں کسی حلق کا داخل نہیں خود وہ کتابی نیاز اور کیا ہی مقرب کہیں نہ ہو مثلاً میں نے کہا جانتے کہ اللہ اور رسول چاہے گا تو کام ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا کا سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یا اگر کوئی شخص پرچھے کہ فلاں میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں میں نہ کہے کہ اللہ اور رسول ہی جانتے ہیں بلکہ غیب کی بات کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ رسول کو خبر نہیں۔ بلکہ اگر وہی جانتا ہے یہ قطعاً جملہ دنیا جانتے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کو دین کی ہر بات تادی سے اور لوگوں کو اپنے رسول کی فرمائش و آری کا حکم دیا ہے۔

غیر اللہ کی قسم شرک ہے

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حلف بغیر اللہ فقد اشرک۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرا رہے تھے جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

عن عبد الرحمن بن سمرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحلفوا بالطاوagیت ولا بابائکم (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن کی قسمیں نہ کہو اور نہ ان کی قسمیں کہو۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ بہک

ان تحلفوا بایمانکم من کان حالفا فلیحلف باللہ اولیصمت
(بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک تو کو
ہم پر دوا کی قسمیں کھائے سے منع فرماتا ہے جو ہمیں قسم کھاتے تو اللہ کی کھائے درد
خاموش رہے۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حلف فقال
فی حلفہ باللات والعزى فلیقل لا الہ الا اللہ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے
(سبقت لینی کے طور پر) لات و عزی کی قسم کھائی اسے لا الہ الا اللہ کہ لینا چاہیے۔
نہایت چاہیے میں جن کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ اسلام میں اگر کسی مسلمان کے
منہ سے عادت کے مطابق غیر شعوری طور پر جن کی قسم لگ جائے تو فوراً لا الہ الا
اللہ پڑھ کر توبہ کا اقرار کر لے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم نہ کھائی
جائے۔ اگر غیر شعوری طور پر غیر اللہ کی قسم زبان سے نکل جائے تو فوراً توبہ کی جائے
شرکوں میں جن کی قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کی قسم کھانے سے ایمان میں خلل آتا
ہے۔

غیر اللہ کی نذریں

عن ثابت بن ضحاک قال نذر رجل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان ینحر ایلہا بیوانہ فانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاخبرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل کان فیہا وثن من
اوثان الجاہلیۃ بعد قالوا لا قال فهل کان فیہا عید من اعیادہ
قالوا لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک فانہ لا وف۔

لنذر فی معصیۃ اللہ (بخاری)

حضرت ثابت بن ضحاک کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں یہ نذر
کھائی کہ ہواں جا کر لوٹ کر نہ آؤں گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ کو
اپنی نذر کی خبر کی۔ فرمایا چاہیے کہ تم لوگوں میں سے کوئی قنن تو وہی نہیں تھا؟ صحابہ
نے کہا نہیں۔ فرمایا وہی کوئی تورا تو میں مٹا دیتا ہوں۔ میں نے فرمایا اپنی نذر کو چارہ کر
کیوں کہ اس نذر کو چارہ کا مٹا دینا ہے جس میں اللہ کا کلمہ ہوتا ہو۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی سنت ٹانگنا ہے۔ ایسی سنت کو چارہ نہیں
کہنا چاہیے (اور کلمہ دے دینا چاہیے) کیونکہ یہ بات خود کلمہ ہے پھر اسے چارہ کرنا
اور کلمہ پر کلمہ ہو گا یہ بھی معلوم ہوا کہ جس جگہ غیر اللہ کے نام پر چارہ چھانے
جانتے ہوں یا غیر اللہ کی پوجا پکارت ہو یا جمع ہو کر شرک کیا جاتا ہو وہی اللہ کے نام
کا بھی چارہ نہ لے جایا جائے اور ان میں شرکت میں کئی چاہیے خواہ اچھی نیت ہو یا
بری کیونکہ ان میں شرکت خود مستقل بری بات ہے۔

بجہ صرف اللہ کو اور پیغمبر کی تعظیم کرو

عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان
فی نفر من المهاجرین والانصار بعیر فسجدلہ فقال اصحابہ
یا رسول اللہ تسجد لک البہائم و الشجر فتحن احق ان تسجد لک
فقال اعبدوا ربکم واکرموا احکامکم۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ و انصار کی ایک
جماعت میں تشریف لے کر آئے کہ ایک اونٹ نے آکر آپ کو بوجھ کیا صحابہ نے کہا
یا رسول اللہ آپ کو چارہ اور درخت بوجھ گئے ہیں۔ ان سے زیادہ تہذیب حق ہے کہ
ہم آپ کو بوجھ کریں۔ فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو۔

یعنی حکم انسان آپس میں پہلی پہلی ہیں جو بہت بزرگ ہو وہ بڑا پہلی ہے اس کی
 بد سے پہلی کی سی عقیم کہ باقی سب کا مالک اللہ ہے عہدہ اس کی کئی چاہیے معلوم
 ہوا کہ پختہ اللہ کے مقرب بندے ہیں طوطا انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں وہ سب کے سب
 اللہ کے ہے بس بندے ہیں اور انارے پہلی ہیں مگر حق تعالیٰ نے ان میں بڑائی بخشی تو
 انارے بندے پہلی کی طرح ہوئے ہیں ان کی فراہم داری کا حکم ہے کیونکہ ہم چھوٹے
 ہیں لہذا ان کی عقیم انسانوں کی سی کہ۔ اور ان میں خدا نے بڑے اور بڑے بھی معلوم ہوا کہ
 بعض بزرگوں کی عقیم درخت اور چادر بھی کرتے ہیں پتلیجے بعض درگاہوں پر شیر
 بعض پر چاقی اور بعض پر بھیڑیے حاضر ہوتے ہیں۔ لیکن انسانوں کو ان کی دیکھ نہیں
 کئی چاہیے۔ انسان خدا کی مثال ہونی عقیم کر سکا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا
 مثلاً قبروں پر چادر بن کر رہتا شرع شریف میں نہیں ہے اس کے بڑے بزرگ چادر نہ بنا
 جائے گو اس قبر پر دن رات شیر چیرا رہتا ہو کیونکہ آدمی کو چادر کی حرص لائق نہیں
 ہے۔

عن قیس بن سعد قال اثبت الحبیرة فرایتهم یسجدون لمر زبان
 لهم فقلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم احق ان یسجد له فانیت
 رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت انی اثبت الحبیرة فرایتهم
 یسجدون لمر زبان لهم فقلت احق ان یسجدنک فقال انی ارایت لو
 مررت بقبری اکنس تسجد له فقلت لا فقال لا تفعلوا۔ (ابوداؤد)

حضرت قیس بن سعد کا بیان ہے کہ میں شہر حبشہ میں گیا ہوں میں نے وہاں کے
 لوگوں کو اپنے راہ کو بچہ کرتے ہوئے دیکھا میں نے دل میں کہا شاید رسول اللہ
 علیہ السلام بچہ کے جانے کے زیادہ حق دار ہیں پتلیجے میں نے آپ کے پاس آکر کہا کہ میں
 نے حبشہ میں لوگوں کو راہ کو بچہ کرتے ہوئے دیکھا آپ اس بات کے زیادہ حق دار
 ہیں کہ ہم آپ کو بچہ کریں فرمایا ہاں تو کسی کو اگر تو میری قبر پر گزرسے تو کیا تو
 اسے بچہ کرنے لگے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو ایسا خیال مت کہو۔

یعنی ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہو کر انوش لہ میں جاسوں گا پھر میں بچہ
 کے لائق نہ ہوں گے بچہ کے لائق تو وہی پاک ذات ہے جو لادزل ہے معلوم ہوا کہ
 بچہ نہ زندہ کو روا ہے اور نہ مردہ کو اور نہ کسی قبر کو روا ہے اور نہ کسی حقان کو۔
 کیونکہ زندہ ایک دن مرنے والا ہے اور مردہ ابھی بھی زندہ تھا اور بشر تھا پھر مگر خدا
 نہیں ہوا بندہ ہی ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا یقولون
 احکم عبداً واعنی کلکم عبید الله وکل نساءکم اماء الله ولا یقول
 العبد لسیده مولای فان مولاکم الله۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی
 عہدیہ دہاقتی (بچہ بندہ۔ میری بندگی) نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری
 ماری عورتیں اللہ کی عہدیاں ہیں۔ غلام اپنے سید کو اپنا مالک نہ کہے کیونکہ تم سب کا
 مالک اللہ ہے۔

معلوم ہوا کہ غلام کو بھی آپس میں ایسی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے کہ میں فلاں کا
 بندہ ہوں اور فلاں میرا مالک ہے۔ پھر طوطا اولاد بندہ بننا عہد الہی بندہ علی بندہ حضور
 پرست خاص "ہمو پرست" دن پرست خود کو کھانا اور ہر کسی کو خداوند
 خدا کے گناہ اور دانا کہہ دینا کسی قدر بے جا ہے اور کھلی بڑی گستاخی ہے۔ ذرا ذرا سی
 بات میں کہنا کہ تم اناری جان اور دل کے مالک ہو۔ ہم تمہارے بس میں ہیں جو چاہو
 کہو۔ یہ سب باتیں عقل بحث اور شرک پر مبنی ہیں۔

عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نظروا منی
 اطرت النصارى عیسی بن مریم فاتما انما عبیدہ فقولوا عبد الله و
 رسولہ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے حد سے مت
 جھٹاتا جیسے یہاں میں نے حضرت عیسیٰ کو حد سے جھٹایا میں تو عقل اس کا بندہ ہی ہوں

تو مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

یعنی حق تعالیٰ نے مجھے جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے وہ سب بندہ اور رسول کے کمرہ دینے میں آجاتے ہیں کیونکہ بشر کے لئے رسالت سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو گا سارے مراتب اس سے نیچے ہیں مگر بشر رسول بن کر بھی بشری رہتا ہے بندہ ہوتا ہی اس کے لئے سب فقر ہے۔ یہی بن کر بشر میں خدا کی شان نہیں آجاتی اور خدا کی ذات میں نہیں مل جاتا بشر کو بشریت ہی کے مقام پر رکھو۔ عیسائیوں کی طرح نہ جو کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو بشریت سے نکال کر ہمارے الوہیت پر تاروا جس سے یہ لوگ کافر اور مشرک بن گئے اور خدا کا قرد و شب ان پر پڑا ہو اسی لئے ظہیر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ عیسائیوں کی سی چال نہ چننا اور میری تعریف میں حد سے نہ بڑھ جانا کہ خدا خواست مراد ہمارے پیروی ہو چکا۔

تکرمی الفاظ میں احتیاط

عن معمر بن عبد اللہ بن الشخیخ قال انطلقت فی وفد بنی عامر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا انت سیدنا فقال السید اللہ فقلنا و افضلنا فضلا و اعظمنا طولا فقال قولوا قولکم اوبعض قولکم فلا یستنجر بکم الشیطن۔ (ابوداؤد)

حضرت معمر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس عامی وفد میں گیا مے کہا آپ ہمارے سید ہیں قرآن سید اللہ سے ہمارے کہا آپ ہم میں افضل ہیں اور ہم سے ہیں قرآن یا یہ ساری یا بعض بات کہہ سکتے ہو۔ کہیں شیطان تم کو گمراہ نہ کرے۔

یعنی کسی بزرگ کی شان میں زبان نہ پھیل کر بات نہ کرنی چاہیے اس کی انسان ہی کی ہی تعریف کہہ۔ بلکہ اس میں بھی کی کہہ۔ سید کے دو معنی ہیں۔ (۱) خود مختار، مالک

کل جو کسی کا حکم نہ ہو آپ جو چاہے کرے یہ شان خدا ہی کی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے خدا کے علاوہ کوئی سید نہیں۔ (۲) پہلے حاکم کا حکم اس کے پاس آئے اور پھر اس کی ذیلی اور مولوں تک پہنچے جیسے چودھری زمیندار اس معنی کے لحاظ سے برہمن اپنی امت کا سردار ہے ہر عالم اپنے ہم عصر لوگوں کا ہر جہت اپنے سامنے والوں کا ہر بزرگ اپنے حقیقت متحمل کا اور ہر عالم اپنے شاگردوں کا سید ہے کہ یہ ہرے ہرے حضرات پہلے حکم پر خود مائل ہوتے ہیں پھر اپنے پھولوں کو کھلتے پھولتے ہیں اس لحاظ سے ہمارے محبوب ہی صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے سید ہیں۔ خدا کی نگاہ میں آپ کا مرتبہ سب سے بڑا ہے۔ آپ سب سے زیادہ انعام شرمہ کے پائے تھے اور خدا کا دین پیچھے میں لوگ آپ ہی کے متعلق ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے آپ کو سارے جہان کا سردار کہا جاسکتا ہے بلکہ کتا چاہیے اور پہلے معنی کے لحاظ سے ایک خود مختار کا سردار بھی آپ کو نہ مانا جائے کیونکہ آپ اپنی طرف سے ایک خود مختار میں بھی تصرف کے مختار نہیں۔

تصویر کے متعلق ارشاد نبویؐ

عن عائشة انها اشترت تمرقة فبھا تصاویر فلما راھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجہہ الکراہۃ قالت قلت یا رسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ماذا اذبت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بال ہذا التمرقة قالت قلت اشتریتھا لک لتقعہ علیہا وتودہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب ہذا الصور یغالبون یوم القیامۃ و یقال لہم احیوا خنقتمو وقال ان البیت الذی فیہ الصور لا یدخلہ المملکۃ (بخاری)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک ٹاپی خریدی اس میں تصویریں تھیں

جب اس کو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو آپ وہ ان سے ہی پرکھ رہے اندر نہیں آئے فرمائی ہیں میں نے آپ کے چہرے سے کراہت محسوس کی میں نے کہا یا رسول اللہ میری قہر ہے میں نے کیا کئے کیا ہے فرمایا یہ غلطی کیا ہے۔ فرمائی ہیں میں نے کہا میں نے اس کو آپ کے لئے خریدنا ہے مگر آپ اس پر بیٹھیں اور نیکی بتائیں فرمایا ان تصویروں والوں پر قیامت کے دن یہ عذاب ہو گا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اپنی بات بولی تصویروں کو زندہ کرو۔ فرمایا جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔

چونکہ اکثر مشرک مورچوں پرست تھے اس لئے فرشتوں اور جبرائیل کی تصویروں سے گھن آتی ہے اس لئے فرشتے نہیں آتے۔ تصویر بنانے والوں پر عذاب ہو گا کہ سنان بت پرستی کیا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تصویر غلو و بخل کی ہو یا لام کی۔ دلی کی ہو یا قلب کی اور چڑکی ہو یا مہ کی بھٹی حرام ہے اور اس کا رکھنا بھی حرام ہے جو لوگ اپنے بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم کرتے ہیں اور بطور تحریک اپنے پاس رکھتے ہیں وہ سراسر گمراہ اور مشرک ہیں۔ بخل اور فرشتوں سے گھن کرتے ہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کی تصویر کو گندہ سمجھ کر اپنے گھر سے دور کر دے مگر رحمت کے فرشتے بھی اس گھر میں آئیں جائیں اور گھر میں برکت ہو۔

عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اشد الناس عذاباً یوم القیۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی او قتل احد والدیہو المصورون و عالم لا ینتفع بعلمہ (ترمذی)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہو گا جس نے نبی کو یا جس کو نبی نے قتل کیا یا اس کو جس نے اپنے باپ کو یا اس کو قتل کیا اور تصویریں بنانے والوں کو اور اس عالم کو بھی جو اپنے علم پر عمل نہ کرے۔

یعنی تصویر بنانے والا بھی ان بڑے بڑے گناہوں میں داخل ہے غور کرو کہ بڑے

اور شر سے بخل کو نہیں مارا بلکہ بخل کے ذریعے کو مارا جو اہم وقت تھے اور آپ کے غلیل تھے تو بڑے گندہ شر کو اور بڑے گناہوں سے بڑھ کر گندہ تصویریں بنانے والوں کو ہو گا کیونکہ ان کو قاتل بخل کا سامنا ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ ومن اعظم ممن نضب یخلق کخلق فلینخلقوا ذرۃ اولیخلقوا حبۃ او شعیرۃ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے فرمایا ہے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو میری طرح پیدا کرنے کی رسی کرے سو کھلا ایک ذرہ یا ایک دانہ یا ایک ہڈی پیدا کر کے دکھائیں

یعنی اشیاء کی صورت دینا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی بات بولی اور وہی بات صورتوں میں سے ہے جان اشیاء کی صورتیں نقل کرنے کی تو ایازت دی لیکن جاندار اشیاء کی صورتوں کو نقل کرنے سے منع فرمایا۔ اب ہو کہی اللہ کا حکم نہ مانے اور ممنوعہ اشیاء میں اللہ کی صفت کی نقل کرے تو بڑی گستاخی اور جرات کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جب تو نے ایک صفت میں نقل کی جرات کی ہے تو وہ صری صفت یعنی حیات دینے میں بھی نقل کر کے دکھا جب اتنی قدرت نہیں ہے تو دنیا میں کیوں گستاخی کا ارتکاب کیا فلذا اب اس کا عذاب بڑھ۔

عبد اور معبود

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی لا ارید ان ترفعونی فوق منزلة النبی اتزلہا اللہ تعالیٰ انا محمد بن عبد اللہ و رسولہ (ترمذی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش میں نہیں پہنچا کہ تم مجھے میرے اس مرتبہ سے آگے بڑھو جس پر اللہ پاک نے مجھے رکھا ہے میں محمد ہوں عبد اللہ کا بیٹا ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔

یعنی جس طرح اور بڑے لوگ اپنی تعریف میں مبالغہ سے خوش ہوتے ہیں مجھے اپنی تعریف میں مبالغہ ذرا برابر بھی پسند نہیں۔ ان لوگوں کو تو مبالغہ کرنے والوں کے دین سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا خواہ دین رسپہ پانہ رسپہ جسیں نظیر اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام اپنی امت پر بڑے شفیق و مہربان ہیں آپ کو رات دن یہی فکر دامگیر تھا کہ امت کا دین سنوڑ جائے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ میرے اہل حق مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور میرے بہت سی انسان منہ ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حب محبوب کے خوش کرنے کو انسان اور زمین کے تقابہ بنایا کرتا ہے لہذا یہ تو یہ تعریف میں حد سے بڑھ جائیں جس سے خدا کی شکر میں ہے نبی ہو جائے جس سے ان کا دین عارت ہو جائے اور میری تافوق بھی واجب ہو جائے اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے مبالغہ پسند نہیں۔ میرا نام محمد ہے میں خالق یا رزاق نہیں میں عام لوگوں کی طرح اپنے آپ ہی سے پیدا ہوا ہوں اور میرا شرف بندہ ہونے ہی میں ہے اہل حق حرام سے میں اس بات میں جدا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے احکام کو چاہوں لوگ نہیں جانتے۔ لہذا انہیں مجھ سے اللہ کا دین سیکھنا چاہیے۔

سونا، چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفر نامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com